ماہنامہ

APRIL

ان شاءاللہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

کا

پانچواں اجلاسِ عام

۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۹۲ء میں مادرِ علمی

جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوگا —

اس موقع سے ایک سمینار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" بھی منعقد ہوگا۔

تمام طلبہ قدیم سے شرکت کی پر خلوص درخواست ہے۔

ناظم اجلاس

(مولانا) رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماھنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد : ۵ شوال ۱۴۱۲ھ / اپریل ۱۹۹۲ء شمارہ : ۴

بدلِ اشتراک

سالانہ زرِ تعاون :	۵۰ روپے
خصوصی تعاون :	۱۰۰ روپے
اعزازی :	۱۰۰۰ روپے
بیرونی ممالک سے :	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ :	۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد البر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

— ترسیلِ زر کا پتہ —

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ، یوپی ۲۷۶۱۲۱

ناز آفسیٹ پریس ٹانڈہ، فیض آباد

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

- **اداریہ**
  مسلمانوں کی پستی کے اسباب — محمد اسماعیل فلاحی — ٢
- **بحث ونظر**
  تعلیم کا تہذیبی نظریہ — نعیم صدیقی — ٨
  مولانا فراہیؒ اور تعلیم — عبدالبرّ اثری فلاحی — ١٢
- **تعلیم و تعلّم**
  توجہ مطلوب ہے — عبدالبرّ اثری فلاحی — ٢٠
- **صحت وتندرستی**
  آپ بھی لمبی عمر پا سکتے ہیں — حکیم طارق محمود چغتائی — ٢٢
- **یادِ رفتگاں**
  مولانا ابواللیث صاحبؒ مرحوم جنہیں میں نے قریب سے دیکھا ہے۔ — مولانا انعام الرحمٰن خاںؒ — ٢٧
- **شعر و نغمہ**
  نعت — ادریس قمر آر — ٣٥
  غزلیں — قمر سنبھلی، ریاض احمد قاصؔر — ٣٦
- **تعارف وتبصرہ**
  القول الأصیل فیما لی فی الرؤیۃ من الدخیل — مولانا محمد عارف عمری — ٤٠
- **اخبارِ علمیہ**
  قرآن کا بوڑگی زبان میں ترجمہ، امریکہ میں مسلم سکولوں کیلئے نصاب کی تیاری۔ — ابن اعظم فلاحی — ٤٣
- **جامعہ کے لیل و نہار** — نور محمد فلاحی
  انجمن طلبہ قدیم کے اجلاس شوریٰ کی رپورٹ، اجلاس انتظامیہ، آفاق احمد کی شہادت۔ — ٤٨

اداریہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

مسلمانوں کی پستی کے اسباب

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں آج مسلمان دینی و دنیوی اعتبار سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو میری سمجھ میں اس کے دو اسباب آتے ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کا قرآن مجید چھوڑ دینا اور دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں مالٹا جیل سے عزم کر کے آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن مجید کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے۔ بچوں کیلئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن مجید کی صورت میں اس کے معانی و مفہوم سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے اور اخوت و مساوات کی فضا پیدا کر کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کے جذبات ابھارے جائیں۔"[1]

یہ اقتباس اسیر مالٹا شیخ الہند جناب مولانا محمود الحسن صاحب کی ایک تقریر سے ماخوذ ہے جو انھوں نے جزیرہ مالٹا سے رہائی کے بعد دیوبند میں علمائے کرام کے ایک بڑے مجمع کے درمیان کی تھی۔ شیخ الہند کی جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخصیت تعارف کی محتاج نہیں' ان کی زندگی جہاد و قربانی سے عبارت ہے۔ انھوں نے حجروں میں بیٹھ کر زندگی نہیں گذاری۔ وہ وقت کے نبض شناس تھے اور تاریخ کے آثار چڑھاؤ پر ان کی نگاہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ جید عالم دین تھے۔ شیخ الہند کی یہ تشخیص ایک طبیب حاذق کی تشخیص ہے۔ اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے انحطاط اور پستی کا رونا تو سب روتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیح تشخیص نہیں ہوتی تو پھر علاج کیسے صحیح ہوگا۔ نعروں' جلوسوں' دھرنوں' قراردادوں' اسمبلیوں کی سیٹوں اور ملازمتوں کے حصول سے وقتی طور پر کچھ فائدہ ہو جائے تو ہو جائے لیکن یہ مستقل کوئی

[1] ہفت روزہ ندائے ملت ۲۰ تا ۲۶ نومبر ۱۹۸۸ء

حل نہیں۔ ضرورت مستقل اور پائیدار حل کے تلاش کی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے مسائل کا انبار ہے معاشی مسئلہ تعلیمی مسئلہ، زبان کا مسئلہ، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا مسئلہ اور بے شمار مسئلے ہیں، لیکن ان سب میں سب سے اہم اور فوری توجہ کا مستحق ملی تشخص کی بقا کا مسئلہ ہے، حکومتی پیمانے پر اور غیر حکومتی سطح سے اس بات کی مسلسل کوشش جاری ہے کہ ہمارا رشتہ ہمارے دین سے کاٹ دیا جائے، ہم عبداللہ اور عبدالرحمٰن تو رہ جائیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کو نہ جانتے ہوں، اس کی ہدایت سے بے بہرہ ہوں۔ یہ ناپاک اور مذموم سازش انگریزوں کے وقت سے ہو رہی ہے۔ ملت اسلامیہ ہند کی اس سے بڑی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی کہ اس سازش کو ناکام بنایا جائے، مسلمانوں کا رشتہ ان کے دین سے مضبوط کیا جائے اور ان کے ایمان کو بچایا جائے۔ دین ہاتھ سے دیکر اگر معاشی خوشحالی آتی ہے، اسمبلیوں اور پارلیامنٹ کی نشستیں ملتی ہیں، ملازمتوں میں مناسب نمائندگی حاصل ہوتی ہے تو یہ کوئی نفع کا سودا نہیں ہے، ع

دین ہاتھ سے دیکر اگر آزاد ہو ملت — ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

معاشی مسئلہ کی اہمیت سے انکار نہیں۔ اسمبلیوں اور پارلیامنٹ میں نمائندگی بھی ایک ضرورت ہے، لیکن یہ سب کچھ ہم مسلمان رہتے ہوئے حاصل کریں گے۔ اس وقت تو ہمارے سامنے اپنے اور آئندہ نسلوں کے مسلمان باقی رہنے کا مسئلہ ہے اور ہمیں اس کی فکر کرنی ہے۔

حضرت شیخ الہند نے بالکل الہامی بات فرمائی ہے کہ دینی و دنیاوی اعتبار سے مسلمانوں کی تباہی کے دو سبب ہیں۔ قرآن مجید چھوڑ دینا اور آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ یہ آپس کا اختلاف اور خانہ جنگی بھی در اصل قرآن چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالٹا جیل سے وہ یہ عزم لیکر چلے ہیں کہ "اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن مجید کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے۔ بچوں کیلئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن مجید کی صورت میں اس کے معانی

ومفہوم سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے۔"

ہندوستان کے طول و عرض میں بکھرے ہوئے یہ دینی مدارس اسی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں، یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو انھوں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ یہ ہر طرح کے تعاون اور قدر کے مستحق ہیں، یہی مدارس ہیں جنھوں نے ہندوستان کو اسپین بننے سے بچایا ہے۔ جامعۃ الفلاح بعض دوسرے مدارس کی طرح اس بات کی مسلسل کوشش کر رہا ہے کہ قرآن کو اس کا واقعی مقام مل جائے اور ملت کا رشتہ صحیح معنوں میں قرآن سے جڑ جائے۔ جامعۃ الفلاح اس بات کی بھی کوشش کر رہا ہے کہ ان مدارس کا دائرہ وسیع ہو اور انھیں مزید مفید اور نتیجہ خیز بنایا جائے۔

یہ سال کی ابتدا ہے۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو اٹھئے، دو تین ہم خیال صاحب خیر حضرات کو اکٹھا کیجئے، اس ضرورت کا احساس دلائیے۔ اپنے محلہ اور گاؤں کا جائزہ لیجئے اور بنیادی دینی تعلیم کا انتظام کیجئے۔ گاؤں کا کوئی بچہ یا بچی چھوٹنے نہ پائے اگر کوئی کسی معذوری اور دشواری سے نہیں پڑھ پا رہا ہے تو اس کی رکاوٹ دور کرنے کی فکر کیجئے۔ یہ نیکی کا ایسا کام ہوگا جس کا میٹھا پھل نہ معلوم کتنی نسلوں تک ملتا رہے گا۔

وہ مدارس جو قرآن و حدیث کی گہری تعلیم کے لئے قائم کئے گئے تھے، جہاں سے دینی علوم کے محققین پیدا ہوتے تھے، وہاں یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ان میں سائنس کی بھی تعلیم ہو، ڈاکٹری کی بھی، انجینئرنگ کی بھی، حساب بھی پڑھایا جائے، ہندی بھی، انگریزی بھی، اکنامکس، پولٹیکل سائنس سبھی کچھ۔

جہاں تک دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے، تو اس پر ان سطور سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ دینی علوم کے ساتھ یہ ساری چیزیں پڑھائی جا سکیں، جبکہ دینی علوم مختلف مستقل علیحدہ علیحدہ مضامین کے مجموعہ کا نام ہے، قرآن، حدیث، ادب عربی، فقہ، نحو و صرف۔ ان میں سے ہر مضمون ایسا ہے جو بہت زیادہ توجہ اور وقت کا متقاضی ہے۔ جدید و قدیم کا ایسا سنگم بنانے کی کوشش جس میں ان قدیم علوم کے ساتھ یہ سارے عصری علوم پڑھائے جائیں کوئی دانشمندانہ بات نہیں ہے۔ وقت کے

لحاظ سے عصری علوم میں سے بعض کو ان میں شامل کیا جا سکتا ہے اور ضرور کیا جانا چاہئے
یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کے ایک عالم سے اس کی خواہش کی جائے کہ وہ سائنس پر لیکچر دے گا یا انجینئرنگ کے متعلق کچھ بتائے گا۔ کسی انجینئر سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تم ڈاکٹر بھی ہو کسی وکیل سے کوئی حساب نہیں پوچھتا۔ انگریزی ادب میں ایم۔ اے۔ سے کوئی ہندی کا سوال نہیں کرتا۔ یہ سارے الگ الگ فن ہیں، اور کوئی بیک وقت ان سارے فنون میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لیا ہے تو عام حالات میں یہ چیز تسلیم نہیں کی جاتی۔

ان عصری علوم کو حاصل کرنا اچھی بات ہے، کوئی غیر دینی بات نہیں، لیکن ان درسگاہوں میں جو دینی علوم میں استادانہ بصیرت پیدا کرنے کیلئے ہی قائم کی گئی ہیں، یہ سارے علوم شامل کرنا کوئی مستحسن قدم نہیں۔ اس کے لئے الگ سے درسگاہیں قائم کرنی چاہئیں اور ان میں بھی ضروری بنیادی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے۔ ایک تو معیاری دینی درسگاہیں یونہی کم ہیں اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے تھوڑے۔ عصری درسگاہوں میں جانے والوں کا تو ایک جم غفیر ہے۔ تھوڑے جو دینی علم حاصل کرنے والے ہیں انھیں اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ اس میں درک حاصل کریں۔

یہ کہا جاتا ہے کہ دینی درسگاہوں سے فارغ ہونے کے بعد آدمی بیکار ہو جاتا ہے اور سوائے مسجد کی امامت اور مکتب کی معلمی کے کسی اور لائق نہیں رہتا۔ قطع نظر اس سے کہ مسجد کی امامت اور مکتب کی معلمی بڑے اعجاز کی بات ہے، یہ اعتراض بڑی حد تک قابل غور ہے۔

ہمارے تعلیمی نظام کی خرابی ہے کہ طالب علم ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد سوائے ملازمت کے اور کسی لائق نہیں رہتا۔ یہ خرابی عصری درسگاہوں میں بھی ہے اور دینی درسگاہوں میں بھی۔ تعلیمی نظام سے اس خرابی کو دور ہونا چاہئے۔ اس کیلئے مناسب ہوگا کہ دینی تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے مثلاً گھڑی سازی، ریڈیو سازی، ٹائپ رائٹنگ، خیاطی اور اس طرح کے دوسرے بہت سے ہنر ہو سکتے ہیں

جنھیں سکھایا جا سکتا ہے۔ دینی درسگاہوں کے منتظمین کو اس جانب توجہ کرنی چاہئے تاکہ ان کے طلبہ فراغت کے بعد خود کفیل ہو سکیں۔ اسطرح وہ زیادہ دین کی خدمت کر سکیں گے

مولانا حبیب الرحمان اعظمی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات حدیث کی خدمت میں صرف کئے ہیں۔ علم حدیث میں ان کو بڑا درک حاصل تھا۔ مصنف عبدالرزاق، مسند حمیدی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی تحقیق ان کے نمایاں کام ہیں۔ ان کے شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ راقم کو ان سے استفادہ کا موقع نہیں مل سکا۔ صرف ایک بار اپنے دوست علی مرتضیٰ فلاحی کے ساتھ شرف نیاز حاصل کرنے اور بعض حدیثوں کے حوالے معلوم کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ حوالہ تو نہیں مل سکا تاہم انھوں نے بعض کتابوں کی نشاندہی فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

مفتاح العلوم کے بانیوں میں مولانا کا نام آتا ہے، لیکن بعد میں بعض اسباب کی بنا پر انھوں نے ایک نئے مدرسہ مرقاۃ العلوم کی بنیاد ڈالی۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا شاہ وصی اللہؒ کے نیاز مندوں میں تھے۔ مشہور استاد حدیث مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے بھی انھوں نے استفادہ کیا تھا۔

ہمیں افسوس ہے کہ علم و تحقیق کا یہ چراغ ۱۶ مارچ ۱۹۹۲ء کو بجھ گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی لغزشوں سے درگذر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم حدیث کی خدمت کر سکیں۔

بقیہ: جنہیں میں نے قریب سے .....

یہی کہ مرحوم کی بہت سی قابل ذکر خوبیاں ذہن میں آ رہی ہیں ... مگر تاب گفتار کہتی ہے بس۔ مختصر یہ کہ مولانا کو وہ علم و عرفان، صبر و استقامت کی طاقت، وہ حسن اخلاق، وہ دانائی و تدبر ملا تھا کہ ان اوصاف کے حامل چند لوگ اور پیدا ہو جائیں تو ملت کا بیڑا پار ہے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہم کو ایسے ہی اور اشخاص سے نوازدے۔

نعیم صدیقی

تعلیم کا تہذیبی نظریہ

تعلیم کیا ہے؟

وہ عمل جس کے ذریعے ایک نسل اپنی حاصل کردہ معلومات، تجربات، علمی مہارتوں اور اپنے عقائد و اطوار کو نوخیز نسل کی طرف منتقل کرتی ہے۔

پہلے اس عمل کا زیادہ تر حصہ گھروں کے دائروں میں تکمیل پاتا تھا، ماں کی توجہ اور باپ کے فیضانِ نظر کو مکتب اعتقاد کرتا تھا۔ پھر یہ عمل قبیلے یا دیہی کمیونٹی تک وسیع ہوگیا۔ بعد میں جب انسانی معلومات اور تجربات کا پھیلاؤ بڑھ گیا تو باقاعدہ مکتب و مدرسہ کے ادارے وجود میں آئے اور اب جبکہ شاخ در شاخ علوم کی پہنائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ہر شاخ بجائے خود چمن بداماں ہے، تعلیم کا عمل جامعات و کلیات کے بھاری بھرکم نظام کا منت کش ہوگیا ہے۔

زمانہ کوئی بھی ہو، معاشرہ کسی بھی سطح کا ہو، تعلیم کے دائرے کا پھیلاؤ کم ہو یا زیادہ، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ذہن، جسم، ماحول اور اشیاء کے متعلق معلومات و تجربات کے انبار کو بھلے برے، مفید مضر اور صحیح اور غیر صحیح کی چھانٹی کیے بغیر ایک زمانے کے لوگ اپنے اخلاف کے حوالے کر دیں بلکہ اس فطری تقاضے کے تحت جس کے اثر سے ماں باپ اپنی اولاد کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کی کج فکریوں، غلطیوں اور کمزوریوں سے بچ کر زیادہ بہتر انسان ثابت ہوں۔ تعلیم کے عمل میں یہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ ناقص معلومات و تجربات، حقائق کے غلط تصورات اور انسانی اطوار کے ناپسندیدہ اجزا کو چھانٹ کر بہترین مواد کو آئندہ نسلوں کے حوالے کیا جائے۔ اسطرح ہر نسل یا ہر دور کی طرف سے کوشش یہ ہوتی ہے کہ صرف اس سرمایہ علم کی آگے ترسیل کی جائے جو زیادہ سے زیادہ قریبِ حقیقت اور ذریعہ افادیت ہو۔ ورنہ اگر سارے

رطب و یابس کو اٹھا کر فرد سے منتقل کیا جاتا تو آج ہر طالب علم کے ساتھ نصابیات کا ایک انبار ہوتا اور کسی استاد کا دماغ تدریسی مواد کا گودام بننے کے قابل نہ ہوتا۔

تعلیمی عمل کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ معلومات و تجربات کو متفرق اور پراگندہ صورت میں منتقل نہیں کیا جاتا بلکہ سارے مواد کو ایک خاص ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ترتیب جس مرکز کے گرد واقع ہوتی ہے، وہ کسی معاشرے کے عقیدے، مقصد اور انسانِ مطلوب کے تصور سے بنتا ہے، یہی تین چیزیں اس کسوٹی کی تشکیل بھی کرتی ہیں جس سے تعلیمی مواد کو پرکھ کر خس و خاشاک کو الگ کیا جاتا ہے اور ذراتِ زر اور پارہ ہائے جواہر کو اگلی نسلوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔

دنیا میں کبھی کوئی نظامِ تعلیم ایسا نہیں پایا گیا جو کائنات و حیات کے متعلق کچھ اساسی معتقدیت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح ہر قوم کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد موجود ہوتا ہے، خواہ وہ لوٹ مار ہو یا نوعِ انسانی کی خدمت۔ اور ان دو بنیادی حقیقتوں کا لازمہ انسانِ مطلوب کا ایک تصور ہے، ہر معاشرہ اپنے نظامِ تعلیم کے ذریعے ساری معلومات اور تجربات کو نہ صرف اپنے اس بنیادی سرمایۂ شعور کے گرد مرتب کرتی ہے بلکہ وہ اس بنیادی سرمایۂ شعور کو تعلیمی عمل میں بنیادی اہمیت دیتی ہے۔

اس بنیادی سرمایۂ شعور سے ہر معاشرے کا کلچر بنتا ہے اور اسی کے مطابق اس کی ساری تہذیب تشکیل پاتی ہے۔ اس کلچر یا تہذیب کو تعلیم کے ذریعے ہر نسل دوسری نسل کی طرف بڑی احتیاط اور بڑی سرگرمی سے منتقل کرتی ہے۔ اسی تہذیب کے مطابق اس کی اجتماعیت بنتی ہے، اسی کے مطابق اس کا نیشنل ٹائپ بنتا ہے۔ اسی کے مطابق اس کا نظامِ اقدار، اس کا سلسلۂ اطوار اور اس کا تصورِ کردار نمودار ہوتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے امتیازی تہذیبی شعور کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے میں کوتاہی کرے تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ اخلاف اپنے تہذیبی وجود کو کھو بیٹھیں، اپنا مقصد گم کر دیں، اپنے تصورِ کردار سے محروم ہو جائیں، اپنے معتقدات کی عمل انگیز روح کو ضائع کر دیں اور اپنی اجتماعیت کی شکست و ریخت کا تماشا کریں۔

پس میں جس تہذیبی نظریۂ تعلیم پر گفتگو کر رہا ہوں اس کے لحاظ سے اوّلیت اس امر کو حاصل ہے کہ پورے نظام تعلیم میں اسی تہذیبی شعور اور تجربے کو اولیت اور غلبہ حاصل ہونا چاہیے، جس کے بل پر کوئی قوم قائم ہے اور جس کی تحریک ہی سے وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوکر مزاحم قوتوں کے ہر چیلنج کا جواب دینے کے قابل ہوتی ہے۔

تہذیبی نظریۂ تعلیم پر غور کرتے ہوئے ہمیں خود اپنے بارے میں سوچنا چاہئے کہ ہمارا امتیازی تہذیبی وجود کیا ہے کیسے بنتا ہے اور اس کی بنا کیا ہے؟

کائنات وحیات کی حقیقت سے لیکر تاریخ کے قانونِ عروج و زوال تک انسان نے مختلف ادوار میں جو فلسفیانہ افکار سمیٹے ہیں، وہ حواس و قیاس کی رسی ہوئی معلومات پر مبنی ہیں۔ یہ معلومات نت بدلتی ہیں، غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے یہ گمان تو دے سکتی ہیں، ایمان نہیں دے سکتیں۔ دنیا کی بہت سی مذہبی اور عقلی قوموں نے گمان پر مفروضی عقیدے گھڑے ہیں کیونکہ ان کے بغیر زندگی ایک دم نہیں چل سکتی۔ بخلاف ایسی ملحد یا مشرک قوموں کے کائنات وحیات اور تاریخ انسانی کے متعلق ہمارا شعور پیغمبروں کے عطا کردہ علم وحی پر مبنی ہے جس کی صحت کا بڑا ٹیسٹ یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور حالات میں آنے والے تمام انبیاء نے بنیادی حقیقتوں کا ایک ہی تصور دلایا ہے ان میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پھر راستی اور امانت اور بے مزد تعلیم و تلقین کے لحاظ سے بھی، اور انسانیت کی بھلائی کیلئے قربانیاں دینے کے لحاظ سے بھی، جملہ انبیاء کی شخصیتیں ایسی درخشاں ہیں کہ ان کی بات پر ایمان لائے بغیر چارہ ہی نہیں رہتا۔ اتنا ہی نہیں جملہ کائنات کی حسی آیات و مظاہر اور تاریخ انسان کے حوادث و واقعات ان کی تعلیم کے فریم میں درست بیٹھتے ہیں۔ نیز کسی بھی دور میں ان کو تسلیم کرنے والے افراد کے کرداروں کی بلندی ان کی صداقت پر ایک عظیم شہادت ہے۔

پس ہم ملتِ اسلامیہ سے وابستہ لوگ کائنات وحیات کا خدا پرستانہ اعتقاد رکھتے ہیں ہم تمام نظریات و افکار کی آخری کسوٹی علم وحی کو مانتے ہیں، ہم خدا کے رسولوں کے اسوۂ کو انسانی کرداروں کیلئے معیار سمجھتے ہیں ہم حق و باطل اور خیر و شر کی ایک خاص تقسیم کے

[illegible] اخلاقی اقدار کے مطابق انسانِ مطلوب کا خاکہ سامنے رکھتے ہیں [illegible] تہذیبی انسانی مراتب اور رابطوں اور باہمی حقوق و فرائض کا ایک متعین مخصوص [illegible] رکھتا ہے۔ ہم دولت و محنت کا تعاون عدل و احسان کے ذریعے قائم کرتے ہیں، ہم مرد و زن کے دو طرفہ مساویانہ حقوق کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کے ادارے کو مستحکم رکھنے کے لئے مرد کو ادارے کی لیڈرشپ پر فائز کرتے ہیں۔ اسی طرح جنگ و صلح کی حدود مجلس آداب و شعائر روایات و علامات اور ایک مخصوص قسم کا ذوقِ جمال و زیبائی ہمارے تہذیبی سرمائے کے لازمی اجزا ہیں۔ ہمارے اساسی عقائد کے مطابق جو خدا پرستانہ تہذیب نمودار ہوتی ہے اس میں ایک خاص نہج کی ہیئت اجتماعیہ [illegible] سکتی ہے۔

اس تہذیبی نقشے کے مطابق حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معیاری معاشرہ قائم کیا۔ ایک مکمل ریاست کی تشکیل کی اور اس کی ضروریات کے مطابق موزوں ترین تعلیمی عمل کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بخوبی چلتا رہا یہاں تک کہ یہودی مجوسی سازش نے آخری تین خلفاء کو شہید کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے دور کو فتنہ و تفرقہ سے بھر دیا۔ رہی سہی کسر حادثۂ کربلا میں پوری کر دی۔ بعد کے ادوار میں جب سلطنت کا نقشہ بدل گیا۔ ملت کا نظام تعلیم علماء و مفکرین کے قبضہ میں رہا۔ اور انہوں نے سلطنت کو اس میں مداخلت کرنے سے باز رکھنے کے لئے بڑی قربانیاں دیں ملت کے علماء و مفکرین کے ذریعے چلنے والے آزاد نظام تعلیم کے بنیادی تہذیبی شعور نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرنے کا حق ادا کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یونانی افکار، عجمی تہذیب، تاتاری بربریت اور ہندی یوگیوں اور تیاگیوں کے تفلسف کے مختلف حملوں کے باوجود ملت اسلامیہ میں ہر مرحلے میں تجدیدی تحریکات اور احیائے اسلام کے جذبات کارفرما رہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ سرزمین برصغیر پر بھی تحریک مجددی کے زیر اثر دور عالمگیری میں اسلامی نظام تعلیم بڑی حد تک جلوہ گر ہوا۔

ہم پر مصیبت یہ آئی کہ ایک بیرونی قوم نے ہمیں غلامی میں جکڑ کر نظام تعلیم کے ذریعے

عبدالبر اثری فلاحی

مولانا فراہیؒ اور تعلیم

مولانا حمید الدین فراہیؒ کو گرچہ ماہر قرآن کی حیثیت سے سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے، لیکن مولانا نے بعض دوسرے میدانوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، لیکن افسوس کہ ان کی طرف لوگوں کی نظر کم گئی ہے، انھیں میں سے ایک اہم میدان تعلیم کا میدان ہے، جس کے تمام اہم پہلوؤں پر مولانا نے سوچا بھی تھا، اس سلسلے میں اپنی رائیں بھی رکھتے تھے اور اسی کے مطابق عملی جامہ پہنانے کیلئے مستقل کوشاں بھی رہے، اس میدان سے ان کی دلچسپی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے آپکو معلم کہلانا پسند کرتے تھے، چنانچہ اپنی کتابوں پر مولانا نے دوسرے القاب کے بجائے "المعلم" ہی لکھوایا تھا اور آج بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ قدیم نسخوں پر "المعلم عبدالحمید الفراہی" تحریر ہے، اس میدان میں ان کی خصوصی توجہ کی دلیل یہ بھی ہے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد تادم حیات برابر یہی مشغلہ مختلف نوعیتوں سے جاری رہا۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۶ء تک مدرسۃ الاسلام کراچی میں مدرس رہے۔ ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ کالج میں عربی تعلیم کیلئے معاون پروفیسر مقرر ہوئے پھر ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۳ء الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے، ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک حیدرآباد میں بحیثیت پرنسپل کام کیا، پھر اخیر عمر تک مدرسۃ الاصلاح کیلئے وقف رہے وہاں منتہی طلبہ اور اساتذہ کو تین دن درس دیتے تھے، گھر رہتے تو گھر پر بھی بعض طلبہ کو پڑھاتے، یہی وجہ ہے کہ جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا قیام عمل میں آیا تو بحیثیت استاذ آپ کا نام بھی تجویز کیا گیا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر آپ تشریف نہ لے جا سکے، اسی طرح آپ کے تعلیمی میدان میں مہارت رکھنے ہی کی وجہ سے جب مولانا شبلیؒ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات ہوئے تو انھوں نے بارہا آپ کو تعلیمی استفادے

اپنی مادہ پرستانہ تہذیب کو ہم پر ٹھونسنے کا عمل جاری رکھا۔ اس عرصے میں ہمارے عقیدے ہمارے مقصد اور ہمارے معیار انسان مطلوب یعنی ہمارے اساسی تہذیبی شعور کو بری طرح تباہ کیا گیا۔ ہمارا پورا نظام تعلیم تباہ ہونے لگا۔ ہمارے امتیازی تہذیبی وجود کے تمام اجزا پراگندہ ہونے لگے۔ ہمارا تصور اجتماعیت نگاہوں سے گم ہونے لگا۔ اور ہماری ملی خودی جو تجدید و احیاء کے لئے قوت محرکہ تھی تعلیم کے تیزاب میں پڑ کر راکھ ہونے لگی ہمیں اگر بچایا ہے تو قرآن و حدیث کے اس علم نے جو ایک مشعل کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔ اور جس سے بہرہ مند کرنے کے لئے ہمارے ان علماء لیڈروں، ادیبوں، مصنفوں اور صحافیوں نے اپنی محنتیں صرف کیں، جو مغربی سامراج کی غلامی کے قفس میں بھی اپنی ایمانی روح کو سلامت رکھ سکے۔

غلامی سے نکل کر ہم ایک دوسری آزمائش سے دوچار ہو گئے، وہ یہ کہ آزادی کے بعد بھی ہم اپنے نظام تعلیم کو اپنے تہذیبی شعور کا ذریعہ انتقال نہ بنا سکے۔ بلکہ مخالف اسلام تہذیبی شعور کے ساتھ ہم نے اسلامیات کے ایک محدود مضمون کا جوڑ لگا دیا۔ اضداد کی اس پیوند کاری سے کچھ حاصل نہ ہوا۔

ہمیں تو ایسی یونیورسٹیاں اور کالج درکار ہیں، جن سے پڑھ کر نکلنے والے نوجوان انقلاب کے سپاہی بن کے نکلیں وہ اپنے دین اور اپنے نظریات و تصورات، اپنی تہذیب کے اطوار و اقدار کی برتری کا یقین رکھتے ہوئے دنیا بھر کی اقوام کے سامنے ان کا نقیب بنیں یہ اصل مطلوب اگر حاصل ہو تو علم ماحول اور علم اشیاء کا جو ذخیرہ جہاں سے بھی ملے از خود اپنی جگہ پر نصب ہو جائے گا۔ لیکن اگر تہذیبی شعور اور ملی خودی ہی زندہ و توانا نہ ہو تو آپ اس کی کمر سے سائنس یا ٹیکنالوجی کی تلوار باندھ بھی دیں تو آخر بقاء و ارتقاء کا جہاد کیسے عمل میں آجائے گا۔

خالی سائنس اور ٹیکنالوجی تو محض بے مقصد ماہرین فراہم کرتی ہے جنہیں کسی بھی قوم اور کسی بھی تہذیب کی گاڑی میں قلی بنا کر جوتا جا سکتا ہے۔

آج سے ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ہمارا مقصد محض اسلامیات پڑھانے سے

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

کیلئے نذر ہوا یا اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی میں شامل کرایا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ تعلیم سے مولانا کی یہ دلچسپی اور اس کی طرف یہ توجہ بے سبب یا محض ذریعہ معاش کے طور پر نہیں تھی بلکہ مولانا جس فکر کے حامل تھے اس کا اظہار اس کی اشاعت اور اس کے مطابق اصلاح معاشرہ کے ذریعے خلافت علی منہاج النبوۃ کا قیام اس کے بغیر ناممکن تھا کیونکہ یہی اس کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم انبیاء کی سنت رہی ہے، ان کے فرائض منصبی کا یہ ایک اہم جزو رہا ہے، شاید اسی وجہ سے نبی کریمؐ نے فرمایا تھا "انما بعثت معلماً" "میں تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی بھی انقلاب ذہنوں کی تبدیلی سے آتا ہے اور ذہن تعلیم سے ہی تبدیل ہوتا ہے چنانچہ مولانا بھی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے یہ راہ اپنائی تھی، لیکن چونکہ مولانا یہ احساس رکھتے تھے کہ اب تک تعلیم کا جو ڈھنگ رہا ہے اور ہے وہ مناسب نہیں ہے اس کے اندر خامیاں ہیں اور ان کی ہلکی نہیں بلکہ بنیادی قسم کی خامیاں ہیں۔ اس وجہ سے مولانا نے صحیح نہج پر ایک پورا خاکہ ترتیب دیا اور اس میں رنگ بھرنے میں مصروف ہوگئے، کچھ دنوں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں کوشش کی اور پھر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کو مرکز توجہ بنایا اور اسے اپنے تخیل کے مطابق ڈھالنے میں آخر دم تک لگے رہے، چنانچہ مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں،

"مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی بنیاد میں گو بہتوں کا ہاتھ شریک ہے لیکن اسکے تخیل کی تعیین اور اس تخیل کے مطابق مدرسہ کو چلانا، اس کا نصاب درس بنانا مدرسوں کو اپنے انوکھے خیال سے متفق کرنا خاص طلبہ کو اپنے مذاق کی تعلیم دینا اور پورے مدرسے کو اپنی نہج کے مطابق لے چلنا خاص انہیں کا کام تھا" (حیات حمید ص۴۳)

مولانا کے نزدیک صحیح نہج تعلیم کیا تھا، پرانے نظام تعلیم میں کیا خرابیاں در آئی تھیں، اس کے کیا اثرات پڑ رہے تھے اور مولانا کس نقطۂ نظر سے تعلیم کے خواہاں تھے اسے سمجھنے کے لئے مدرسۃ الاصلاح کے ابتدائی دور کی روداد کا ایک اقتباس نقل

کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ "یہ وہ تحریر ہے جو خود مولانا نے لکھی تھی یا ان کی فرمائش سے لکھی گئی تھی اور ان کے نظر سے گذر کر اصلاح پا چکی تھی" (حیات حمید ص۲۵)

"مسلمانوں کی موجودہ پستی جوان کی زندگی کے ہر شعبہ پر طاری ہے زیادہ تر نتیجہ ہے اس خرابی کا جو ان کی مذہبی تعلیم میں صدیوں سے پیدا ہو گئی ہے جب تک مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اپنے صحیح نہج پر قائم رہی وہ برابر دین و دنیا کے تمام شعبوں میں ترقی کرتے رہے، لیکن جب سے یہ شاہراہ کج ہوئی دینی مدارس اور مذہبی پیشواؤں کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کا زوال شروع ہوا اور برابر بڑھتا گیا ...... ان حالات میں خدا نے ایک جماعت کو اپنی توفیق بخشی سے سرفراز کیا اور اس نے طے کر لیا کہ جس اسلوب پر علوم دینیہ کی تعلیم ہو رہی ہے وہ قطعی ناقص اور غیر منتج ہے، جب اسلام ہماری دینی و دنیاوی فلاح کا جامع ہے تو اسلامی تعلیم کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ نہ صرف ہمارے عبادت کا دستور العمل ہو بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں وہ ہمارے لئے مشعل ہدایت ہو۔ اب ہمارے درد کا اگر کوئی علاج ہے تو وہ محض رسمی تعلیم اور نصاب مروج کو ختم کرنا نہیں بلکہ مذہبی تعلیم کو اس کے صحیح معنوں میں جاری کرنا ہے یعنی وہ وسعت و جامعیت ہے جو اسلام کا مفہوم ہے اور "تفقہ فی الدین" اسی سے عبارت ہے اسی جماعت نے اس بلند معیار تعلیم کو پیش نظر رکھ کر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام مدرسۃ الاصلاح ہے۔

مدرسۃ الاصلاح کا دعویٰ ہے کہ اس نے مذہبی تعلیم کی صراط مستقیم کو پالیا ہے۔ اس نے اسے اپنا مقصد اساسی قرار دیا ہے ......

وہ مقصد اساسی اور صراط مستقیم کیا ہے؟ وہ وہی ہے جس پر آں حضرتؐ نے اپنی امت کو چھوڑا تھا اور جس کی آخری خطبہ میں وصیت فرمائی تھی "کہ میں تمہارے لئے کتاب اللہ چھوڑے جاتا ہوں جب تک اسے مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز

گمراہ نہ ہوگے "مدرسۃ الاصلاح کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط و تنزل کا اصلی سبب یہی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم کو آہستہ آہستہ کم کرتے گئے اور وہ علوم جو قرآن مجید کیلئے آلہ اور وسیلہ ہو سکتے تھے ان کی تحصیل میں اس قدر مصروف ہوگئے کہ وہ خود مقصود بالذات بن گئے۔ یہانتک کہ ہوتے ہوتے قرآن مجید کے درس و تدریس کیلئے انھوں نے بالکل جگہ نہ چھوڑی، اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ محض تلاوت اور حفظ الفاظ پر اکتفا کر لیا گیا اور ہم پر رسول خدا کی یہ شکایت منطبق ہونے لگی "یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" (اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ایک چھوڑی ہوئی چیز سمجھ لیا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مدرسۃ الاصلاح نے یہ راز پالیا اور قرآن مجید کو سرچشمۂ ہدایت و ترقی تسلیم کر کے جملہ علوم کی تعلیم اس کی تعلیم کے ماتحت کر دی وہ ادب، فقہ، حدیث، تاریخ، سیر، منطق و حکمت کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس طور پر کہ جس علم کی طرف قدم بڑھے قرآن کی روشنی میں اور جو دروازہ کھلے قرآن ہی کے اندر سے کھلے (حیات حمید صـ۳۲)

مولانا کے تعلیمی نقطہ نظر کو وسیع تناظر میں سمجھنے کیلئے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے دستور العمل کا مطالعہ بنظر غائر کرنا چاہئے کیونکہ جن لوگوں نے اسے ترتیب دیا تھا گرچہ اس میں مولانا کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ اور جناب اقبال احمدؒ بھی شریک تھے لیکن اصلاً اس مجلس کے آپ ہی رکن رکین تھے جیسا کہ خود مولانا سید سلیمان ندویؒ کا اعتراف حقیقت پہلے گذر چکا ہے ویسے اگر اس کا خلاصہ اور مغز مختصراً سمجھنا چاہیں تو کسی قدر اندازہ دستور العمل کے دفعہ نمبر ۴ اور دفعہ نمبر ۵ سے لگایا جا سکتا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

دفعہ نمبر ۴: اصلی مقصد اس مدرسہ کا مسلمانوں کی مذہبی اور دنیوی تعلیم ہے اور بوقت توسیع مذہبی تعلیم کو مقدم رکھا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۵: انتظام تعلیم میں یہ مدرسہ خصوصیات ذیل ہمیشہ پیش نظر رکھیگا۔

الف: قرآن و حدیث و فقہ و ادب عربی کی طرف شدت اعتناء۔

ب: اہل علم و قابلیت کو پیش نظر رکھنا، کسی قدر وظائف کی کمی اولاً قرآن مجید و تعلیم عربی جدید۔

ج: درستی اخلاق یعنی پابندی شرائع و روحانیت اسلام

د: آسانی نصاب باوجود اعلیٰ قابلیت

ہ: کفایت مصارف باوجود آسائش طلبہ

شرح: (خصوصیات الف و ب بنیادی ہیں، ج ان کا عملی ثمرہ ہے اور د، ہ ان کے ذرائع ہیں اور ان کی اہمیت میں باہمی فرق مراتب ان کی ترتیب سے سمجھنا چاہئے)۔ (دستور العمل صـ۲-۳)

اس کی روشنی میں چند بنیادی باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

(۱) مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں ابتک لکھی گئی ہیں اور اس میدان میں جو کاوشیں ہوئی ہیں اس میں بہت کچھ نقائص اور خامیاں ہیں جیسا کہ مولانا نے "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" میں علم لغت، نحو، منطق، بیان، اصول فقہ، بلاغت وغیرہ پر مختصر طور سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو صـ۳۳ تا صـ۳۸ بلکہ مولانا کے خیال میں عام طور سے وہ سارے علوم اپنی اصلیت اور مرکزیت سے دور ہیں لہذا ان تمام کو ان کے اصل اور مرکز یعنی قرآن سے جوڑنا اور اسکے مطابق ان کی از سر نو تدوین کرنا از حد ضروری ہے اور یہی فکر فراہی کا اصل الاصول اور مغز ہے چنانچہ اسی تدوین جدید کی کوشش میں مولانا مصروف تھے جیسا کہ ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے مولانا کی مکمل و ناقص تالیفات کی فہرست گنانے کے بعد لکھا ہے "اس فہرست پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ مولانا قرآن کریم کو مرکز بنا کر اسلامی علوم کو از سر نو مرتب کرنا چاہتے تھے تاکہ آدمی پر جو دروازہ کھلے وہ قرآن کی راہ سے کھلے اور وہ جس راہ میں بھی چلے قرآن کی روشنی اس کی رہنمائی کرے" (تفسیر نظام القرآن صـ۲۶)

(۲) اس سے قریب تر ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ مدارس کے اندر اب تک

جو نظامِ تعلیم رائج تھا اس کے اندر قرآن کی تعلیم کو حد درجہ نظر انداز کیا گیا تھا۔ مولانا نے پہلی مرتبہ اس کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور لوگوں کے اندر اس کے شایانِ شان تعلیم کو فروغ دینے کی تحریک پیدا کی اور خود اس کا نمونہ پیش کیا چنانچہ ان کے مرتب کردہ نصاب میں پورا قرآن مع اپنے علوم معہ کے پڑھایا جانا ضروری قرار پایا اور جس پر آج تک مدرسۃ الاصلاح اور بعض دوسرے مماثل درسگاہیں گامزن ہیں۔

(۴) عام طور سے یہ مسئلہ بڑے زور و شور سے اٹھایا جاتا رہا ہے کہ قدیم و جدید میں بڑا بعد پیدا ہو گیا ہے اور ان کے حسین امتزاج کے بغیر ترقی ناممکن ہے

- - - - - - - - لیکن بظاہر یہ اصطلاح ہی محل نظر ہے کیونکہ کوئی بھی علم اپنے تاریخی تسلسل کے بغیر ناقص رہتا ہے اسی وجہ سے وہ عام طور سے اس علم کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور ہمیشہ باقی رکھے جاتے ہیں چنانچہ قدیم وجدید کا حسین امتزاج کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عام طور سے قدیم سے مراد دینی تعلیم اور جدید سے مراد دنیوی تعلیم کو سمجھا جاتا ہے جو کسی طرح بھی ان الفاظ سے میل نہیں کھاتے غالباً اسی وجہ سے مولانا فراہیؒ نے قدیم وجدید کے بجائے مذہبی اور دنیوی تعلیم کی اصطلاح استعمال کی ہے جو اپنی ایک معنویت رکھتی ہے اور ان کا امتزاج ایک ضرورت ہے کیونکہ زوال امت کے بعد مذہبی تعلیم کا تسلسل تو کسی قدر باقی رہا کیونکہ اس کی خاص اہمیت تھی لیکن دنیوی تعلیم کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اس وجہ سے ضرورت تھی کہ اس پہلو پر بھی توجہ دی جائے چنانچہ مولانا فراہیؒ بھی اس کمزوری اور اس کی حیثیت کو سمجھتے تھے لہٰذا مدرسۃ الاصلاح کی تعلیم میں اس کمزوری کو دور کرنے اور حیثیت کے مطابق اس کو جگہ دینے کی کوشش کی جیسا کہ دستور العمل کے دفعہ نمبر ۴ میں کہا گیا ہے "اصلی مقصد اس مدرسہ کا مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور دنیوی تعلیم ہے اور بوقت توسیع مذہبی تعلیم کو مقدم رکھا جائے گا" (ص ۲)

(۳) تعلیم کے سلسلے میں اب عام بیماری یہ پائی جاتی ہے کہ مقصود ڈگریوں کا حصول اور کتاب خوانی قرار پاگیا ہے چنانچہ اب زیادہ توجہ اس طرف دی جاتی ہے کہ کس طرح متعین نصاب پڑھا دیا جائے خواہ اس کے مطابق طالب علم میں صلاحیت پیدا ہو یا نہ ہو اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے اندر مطلوبہ صلاحیت تو پیدا ہوتی نہیں البتہ کتب نصاب کی ورق گردانی کرنے کے بعد نکل جاتے ہیں اور انھیں عالم و فاضل کی حیثیت بھی دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ معیار پر پورے نہیں اترتے تو پھر ہم حرف شکایت بلند کرتے ہیں چنانچہ مولانا اس کا اصلی سبب صلاحیت پیدا کرنے کی طرف سے بے توجہی کو سمجھتے تھے اس وجہ سے مولانا کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں تعلیم کے معاملے میں "کم" مقدار سے زیادہ "کیف" (حالت و نوعیت) پر توجہ دینی چاہیے" (بروایت مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی) اسی سے ملتی جلتی بات مولانا نے مدرسۃ الاصلاح کے دستور العمل کے اندر دفعہ نمبر ۵ "ب" میں رکھوائی ہے "اصل علم و قابلیت کو مطمح نظر رکھنا کسی محدود نصاب کتب کو الا قرآن مجید و متون حدیث (ص ۲)

(۵) کتب نصاب کے سلسلے میں جدید رجحان اور طریقہ یہ ہے کہ ہر موضوع پر مفصل اور طویل کتب تیار کرا کر زیر درس رکھی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم پر ڈھیر ساری کتب کا بار آجاتا ہے نتیجۃً نہ تو وہ پوری کتاب کا غائر مطالعہ ہی کر پاتا ہے اور نہ ہی اصول فن کو منضبط کر پاتا ہے اور مجبوراً دوسرے کی مدد پر منحصر ہو جاتا ہے یا خاص خاص اور اہم مقامات کو ہی محفوظ و مستحضر رکھنے کی کوشش کرتا ہے کچھ اسی قسم کا معاملہ بعض سابقہ نصابی کتب کا بھی رہا ہے خاص طور سے سابقہ نصابی کتب کے اندر یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ اس کی عبارتیں نہایت گنجلک اور جزئیات پر زیادہ مشتمل ہیں اسی وجہ سے عام طور سے ان کی شرحوں کی ضرورت پڑی اور مجبوراً لکھی گئیں چنانچہ اسی کا حل نکالتے ہوئے مولانا نے اس بات کو زیادہ اہمیت دی ہے کہ نصاب آسان سے آسان ہو اور اصول فن طلبہ کی گرفت میں آجائیں اور مطلوبہ استعداد بھی طلبہ کے اندر پیدا ہو جائے، چنانچہ

مدرسۃ الاصلاح کے نظام تعلیم میں ایک چیز یہ بھی رکھوائی "آسانی نصاب باوجود اعلیٰ قابلیت" (دستور العمل دفعہ نمبر ۵ ...)

اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے مولانا نے بعض نصابی کتب بھی تیار کیں جس میں سب سے زیادہ مشہور "اسباق النحو" اول و دوم ہے جس کے بارے میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے "ان دونوں کتابوں میں مولانا نے ابتدائی نحو و صرف کو نہایت سائنٹفک اور آسان طرز پر مرتب کر دیا ہے اور تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ نحو و صرف کی ابتدائی تعلیم کے لئے یہ دونوں رسالے نہایت مفید ہیں" (تفسیر نظام القرآن صـ ۲۲)

یہ کتابیں مختصر اور جامع ہیں ان دونوں کے مجموعی صفحات بمشکل سوا سو ہوں گے لیکن تقریباً نحو و صرف کے تمام ہی اہم مباحث ان کے اندر آ گئے ہیں اس کے علاوہ اس فن پر ایک اور کتاب "النحو الجدید" کے نام سے ترتیب دینا مولانا کے پیش نظر تھا لیکن افسوس کہ وہ مکمل نہ کر سکے، اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے لکھا ہے "نحو و صرف کی ترتیب کے سلسلے میں اسباق النحو کے دو حصوں کے بعد مولانا کا یہ دوسرا قدم تھا اگر یہ کتاب تکمیل کو پہنچ گئی ہوتی تو جہاں تک نحو کا تعلق ہے یہ کتاب طلبہ کو دوسری تمام کتابوں سے بالکل مستغنی کر دیتی" (تفسیر نظام القرآن صـ ۳۶)

اب آپ غور کریں کہاں نحو و صرف کی درجنوں مفصل اور گنجلک کتابیں اور کہاں صرف تین مختصر کتابیں نحو و صرف سکھانے کیلئے کافی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا نے مختلف علوم کی طرح نحو و صرف کے میدان میں بھی بہت سی نئی اصطلاحات، نئی رائیں اور راہیں وضع کی ہیں مثلاً عوامل کی بحث ایک کلیدی بحث کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن مولانا نے ان تمام کو سرے سے یک لخت ختم کر دیا اور کہا "فعل اعراب سے ہوئے آزاد — اور عوامل ہیں سارے شہر بدر" اور پھر نئے نہج پر پیش کیا، چنانچہ اسباق النحو کے مقدمہ کی حسب ذیل

عبارت ملاحظہ فرمائیں جو خود مصنف نے لکھی ہیں: "اسباق النحو کے لکھنے میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ عربی نحو بقدر ضرورت جلد اور آسانی سے آ جائے نحو کے وسیع معنی لیے گئے ہیں جس میں صرف بھی داخل ہے اور کتاب کے تین حصے کیے گئے ہیں پہلے حصہ میں اسم کا بیان ہے اور دوسرے میں فعل کا اور تیسرے میں حرف کا، یہ پہلا حصہ ہے اس میں اسم کے متعلق ضروری قواعد کو آسان مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، معلم کو چاہیے کہ ان مثالی جملوں کو ذرا بدل کر پہلے زبانی اور پھر لکھوا کر عربی بنوائے اس سے قواعد ذہن نشین ہو جائیں گے اور عربی بولنے اور لکھنے کی جرأت اور رغبت پیدا ہوگی، ان مثالوں میں ضروری حروف بھی ضمناً آ گئے ہیں اور اسلئے صرف پہلے اور دوسرے حصے کے تمام کر لینے پر طالب علم کو قرآن مجید اور حدیث و دیگر کتب عربیہ بے تکلف پڑھا سکتے ہیں۔

یہ کتاب ماخوذ ہے "النحو الجدید" سے، قدیم صرف و نحو کی کتابوں سے اس میں کہیں کہیں اختلاف کیا گیا ہے جس کی وجہ اصل کتاب (النحو الجدید) میں مفصل ملے گی یہاں رفع خلجان کیلئے صرف دو باتیں قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ نحو جدید میں اعراب کی بنیاد اختلافِ حالات پر رکھی گئی ہے نہ کہ عوامل پر۔ اس سے اولاً تو سو عوامل سے نجات مل جاتی ہے اور ثانیاً فعل چونکہ اختلاف حالات نہ رکھنے کی وجہ سے معرب نہیں رہ جاتا، اس لئے فعل کی طولانی بحث میں پڑنے سے پہلے ہی اعراب کی تعلیم دی جا سکتی ہے اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے مشقِ عبارت شروع ہو جاتی ہے پھر جب فعل شروع ہوتا ہے تو چونکہ اعراب سے واقفیت ہو چکی ہے تو اس کا استعمال بھی ہونے لگتا ہے اور فعل کے تمام ہوتے ہوتے ادب میں کافی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، برخلاف قدیم طریقہ کے کہ اس میں ایک مدت دراز تک خشک اور پیچیدہ صرف و نحو کے قواعد رٹنے ہوتے ہیں اس کے بعد کہیں جا کر ادب کی نوبت آتی ہے" اس جدید طریقہ کا تجربہ کیا گیا اور حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔

دوسری بات جو خاص اس ابتدائی کتاب میں ملحوظ رکھی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ تعریفات

کے بجائے زیادہ تر مثالوں سے کام لیا گیا ہے، انسان فطرتاً مثالوں ہی سے اشیاء کو پہچانتا ہے نہ کہ منطقی تعریفات سے۔ اس سے اکثر منطقی بھی عاجز ہو جاتے ہیں، اسلئے مبتدی کو تعریفات کے الجھاؤ میں نہیں ڈالا گیا۔" (اسباق النحو اول ص۵۰)

اس سلسلے کی بعض دوسری کتب "جمہرۃ البلاغۃ"، "سلیقۃ العروض"، "تحفۃ الاعراب" (منظوم) اور "منظومہ صرف" (ناقص) وغیرہ بھی ہیں۔

(۶) اچھی تعلیم دلانا دن جس قدر گراں ہوتی جا رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن اسلامی اصول یہ ہے کہ تعلیم مفت ہو یا سستی سے سستی، اللہ کا شکر ہے کہ امت نے ہر دور میں حتی المقدور اسے برتنے کی کوشش کی ہے چنانچہ مولانا نے بھی اپنے یہاں اسے اصول کی حیثیت سے جگہ دی اور عملاً برتنے کی کوشش کی جیسا کہ دستور العمل میں دفعہ نمبر ۵ "ہ" کے اندر کہا گیا ہے "کفایت مصارف باوجود آسائش طلبہ" (ص۲) چنانچہ رسالہ "فاران" (بجنور) نے مدرسۃ الاصلاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا

"اس مدرسہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جن کی نظیر کسی اور اسلامی درسگاہ میں نہیں ملتی، مثلاً

(۱) اس نے اس ملک کے افلاس کو دیکھتے ہوئے تعلیم کی نرخ کو انتہائی حد تک ارزاں کیا ہے۔

چنانچہ یہ بات مدرسۃ الاصلاح ہی کیلئے مخصوص ہے کہ وہاں کم سے کم خرچ میں بہتر سے بہتر تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے" (بحوالہ "الاصلاح" ستمبر ۱۹۳۶ء ص۵۸-۵۹)

(۷) زوال امت کے بعد امت کے اندر ایک خرابی یہ بھی آئی کہ محنت سے بھاگنے لگے، صنعت و حرفت وغیرہ کے فنون سیکھنے سے گریز کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معاشی میدان میں پیچھے رہ گئے اور دوسروں پر منحصر ہونے لگے چنانچہ مولانا کو یہ چیز سخت ناگوار تھی اور مولانا اس کی اصلاح بھی کرنا چاہتے تھے اور اس میدان میں بھی مولانا نے کوشش شروع کر دی تھی، جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں "مولانا علماء کی گداگرانہ خصلت سے سخت نفرت رکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ مولویوں

کے دور سے بھی گداگری کی لعنت دور ہو جائے، چنانچہ مدرسہ کیلئے بھی جائداد خریدی جس کا سال بسال منافع آتا ہے اور صرف اپنی کوشش سے تمام عربی مدارس کے برخلاف اس مدرسہ میں تجارتی و صنعتی آمدنیوں کے ذرائع پیدا کئے خود اپنی طرف سے اور مدرسہ کے بعض مخلص ہمدردوں کی طرف سے کچھ سرمایہ لگا کر مدرسہ میں آٹا پیسنے کی مشین مع انجن کے لگایا اور اس سے مدرسہ کو روزانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے، مدرسہ کے اندر جوتا بنانے کا ایک شعبہ قائم کیا، جہاں اچھے جوتے، پمپ اور شو وغیرہ بنتے ہیں" (حیات حمید ص۲۳)

مدرسہ کی اس خصوصیت کا ذکر رسالہ "فاران" (بجنور) نے بھی اگست ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں کیا تھا (۴) اس مدرسہ میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ انگریزی اور ریاضی اور بعض مفید صنعتیں مثلاً جلد بنانا، جوتا بنانا بھی سکھائی جاتی ہیں تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء کسی حال میں قوم پر بار نہ ہوں" (بحوالہ الاصلاح ستمبر ۱۹۳۶ء ص۵۸)

افسوس کہ یہ روایت بھی مدرسہ سے ختم ہو چکی ہے اسے دوبارہ زندہ کیا جانا چاہئے۔

مندرجہ بالا امور کے علاوہ بعض دوسرے اہم امور کا بھی سراغ دوسرے ذرائع سے ملتا ہے۔ ان کا ذکر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا اس لئے ذیل کی سطروں میں دیا جا رہا ہے۔

ہندوستان پر غلبے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو جاہل بنانے کی جو مہم انگریزوں نے شروع کی اس میں اہم چیز زبان درس کی تبدیلی تھی یعنی انگریزی کو زبان تعلیم قرار دے کر بری طرح مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں پیچھے ڈھکیلا گیا کیونکہ اس صورت میں طالب علم پر دوہرا بوجھ آجاتا تھا اول تو زبان پر دسترس دوسرے علم پر گرفت کی کوشش جو بیک وقت طالب علم کے لئے ناقابل سہار بوجھ ہو جاتا تھا اور نتیجۃً طالب علم پیچھے رہ جاتا تھا۔ مولانا فراہیؒ تعلیمی پسماندگی کے اس اہم عامل

سمجھتے تھے چنانچہ مولانا کو جیسے ہی موقع نصیب ہوا کہ وہ مرض کی اصلاح کریں فوراً ہی مادری زبان (یعنی اردو) میں تمام علوم کی تعلیم کے تخیل کو بدلائل پیش فرمایا اور لوگوں سے منوالیا، چنانچہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ان کے سوانح کے اندر رقمطراز ہیں "حیدرآباد کے زمانہ قیام میں مولانا کے سامنے ایک ایسی یونیورسٹی کا تخیل آیا جس میں تمام دینی اور عصری علوم کی تعلیم اردو میں دی جائے اگرچہ اس زمانہ میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے وہ تمام امکانات مفقود تھے جو آج موجود ہیں لیکن مولانا نے اپنے ٹھوس دلائل سے ریاست کے تعلیمی کارفرماؤں کو اپنے نظریہ کا قائل بنالیا اور اس کی ایک ایسی اسکیم تیار کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دی جسکے بعد کسی کو بھی ان کے نظریے سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی مولانا کا یہی تخیل ہے جو بالآخر جامعہ عثمانیہ کی شکل میں عملی صورت میں ظاہر ہوا" (مجموعہ تفسیر نظام القرآن ص ۱۳)

چنانچہ پوری دنیا یہ جانتی ہے کہ اردو کی تعمیر و ترقی میں جو رول جامعہ عثمانیہ کا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی اور میری سمجھ سے اس کا سہرا بطور خاص مولانا فراہیؒ کے سر جاتا ہے۔

(۲) طریقہ تدریس کے سلسلے میں بھی مولانا فراہیؒ اپنا ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے تھے، اس سلسلے میں ان کے ایک مختصر نوٹ کے "الاصلاح" میں شائع ہونے کا تذکرہ مولانا جلیل احسن ندویؒ نے مولانا اختر احسن اصلاحیؒ پر اپنے ایک تاثراتی مضمون میں کیا ہے، لیکن افسوس کہ باوجود بسیار کوشش کے میں یہ نوٹ "الاصلاح" میں نہیں پا سکا۔ ممکن ہے یہ نوٹ کہیں اور سے مولانا مرحوم (جلیل احسن ندویؒ) کی نظر سے گذرا ہو اور یادداشت نے خطا کی ہو۔ بہر صورت چونکہ وہ بات جو مولانا مرحوم (جلیل احسن ندویؒ) نے نقل کی ہے وہ فکر فراہی کے عین مطابق ہے کیونکہ اسے ہی منتسبین فراہی برابر برتتے رہے ہیں۔ بطور خاص مولانا کے دونوں شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا اختر احسن اصلاحی بھی اسی طریقے پر عمل پیرا

رہے، اس لئے اسے نقل کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ لکھتے ہیں "مولانا فراہیؒ نے ایک مختصر نوٹ طریقہ تدریس پر لکھا ہے جو "الاصلاح" میں شائع ہو چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کے دو طریقے ہیں ایک محاضراتی دوسرا استخراجی۔ محاضراتی کا مفہوم یہ ہے کہ استاذ درجہ میں آتا ہے اور تقریر دیتا ہے، طلبہ سنتے اور کچھ ضروری نوٹ لے لیتے ہیں، استاذ اس سے قطعاً تعارض نہیں کرتا کہ زیر درس حصہ کا طلبہ نے مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ یہ طریقہ بہت آسان ہے، طلبہ اور اساتذہ دونوں کیلئے آسان۔ الجھنوں، زحمتوں اور جھنجھلاہٹ سے دونوں محفوظ لیکن یہ طریقہ طلبہ کی قوت مطالعہ کیلئے تباہ کن ہوتا ہے، قوت مطالعہ جو ہر طالب علم کو اللہ نے ودیعت فرمائی ہے وہ ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ خود طلبہ سے متعلقہ عبارت کی صرفی و نحوی مشکلات حل کرائی جائیں، معاجم کی مدد سے الفاظ کے معانی وہ خود نکالیں اور پھر عبارت کا مفہوم بھی خود ہی متعین کریں، اس سے طلبہ کی قوت مطالعہ ابھرتی ہے، ترقی کرتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی نئی کتاب یا عبارت سامنے آجائے تو اس کا مفہوم متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت صبر آزما، مشکل اور الجھن میں ڈالنے والا ہے، استاذ کو بھی اگر وہ صابر نہیں ہے جھنجھلاہٹ ہوتی ہے اور طلبہ کو بھی الجھن ہوتی ہے لیکن اس کے فوائد نہایت عظیم ہیں اگر طالب علم گھبرا نہ جائے اور دشوار گذار گھاٹی پر سفر جاری رکھے تو اس کے مطالعہ کی قوت بڑھتی ہے اور مفہوم و معانی کے استخراج میں آسانی ہو جاتی ہے مولانا فراہیؒ نے اسی طرح پڑھایا تھا اور اسی طریقے سے ان کے ادب کے استاذ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شارح معلقات و حماسہ نے پڑھایا تھا" (نقوش و تاثرات)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اسے سمجھنا اور دفع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ گفتگو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا استخراجی طریقۂ درس کو پسند کرتے اور اپناتے تھے لیکن بعض دوسری تحریروں سے اس کے برخلاف محاضراتی طریقۂ درس کو پسند کرنے اور اپنانے کی تائید ہوتی ہے مثلاً مدرسۃ الاصلاح کی

ابتداء اور اس کا نصب العین مع نصاب تعلیم و قواعد و ضوابط" میں صفحہ پر لکھا ہے "اس کے علاوہ اس مدرسہ کے متعلق اصول کی حیثیت سے جو باتیں ان کے (مولانا فراہی) پیش نظر تھیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے (پھر پانچ امور کا تذکرہ ہے) اس کے اندر تحریر ہے کہ "درس دینے میں لکچرز کا طریقہ اختیار کیا جائے"۔

ان میں تطبیق کی واقعی شکل کیا ہے، غور کرنا چاہئے۔ میری سمجھ سے جو شکل ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اصلاً استخراجی طریقہ ہی پسند تھا، البتہ فنون کی تعلیم میں محاضراتی طریقے کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے تھے کیونکہ مذکورہ عبارت (درس دینے میں لکچرز کا طریقہ اختیار کیا جائے) سے پہلے یہ عبارت مذکور ہے "صرف و نحو کی تعلیم عملی ہو، فنون کی تعلیم میں امہات فن پیش نظر رہیں" اس تطبیق کی تائید اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو "مدرسۃ الاصلاح کی ابتداء اور اس کا نصب العین مع نصاب تعلیم و قواعد و ضوابط" کے اندر "عربی نصاب تعلیم پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت نمبر ۵ میں صفحہ ۳۵، ۳۶ پر درج ہے "اس نصاب میں فنون کی جو کتابیں ہیں ان کے مطالب کو استاد اپنے لکچروں میں دوسری کتابوں کی مدد سے شرح و بسط کے ساتھ پیش کرتا ہے اور طلبہ کو ان میں سے خاص خاص کتابوں کے مطالعے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ فن کی کتابوں کے ساتھ استاد کو دوسری کتابیں مراجعت اور تفصیل مطالب کیلئے پیش نظر رکھنا پڑتی ہیں اس سے یہ ہوتا ہے کہ طالب علم ایک ہی کتاب سے کئی کئی کتابوں کے فائدے حاصل کر لیتا ہے"۔

گویا جیسا مضمون ہو اسی کے لحاظ سے طریقہ تعلیم اختیار کیا جانا چاہئے۔

مذکورہ بالا ساری گفتگو صرف اس غرض سے کی گئیں ہیں کہ ماہرین تعلیم اور ذمہ داران مدارس ان پر غور کریں اور فائدہ اٹھائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

- - - - - - - -

مولانا ابواللیث صاحب مرحوم

جنہیں میں نے قریب سے دیکھا ہے

مولانا انعام الرحمن خاں بھوپال

دنیا جانے ہی کی جگہ ہے۔ شہری، دیہاتی، عالم، جاہل، غوث و قطب، علماء، فضلاء، اولیاء اور حکماء حتی کہ انبیاء علیہم السلام تک رخصت ہوئے۔ یہاں جو بھی آیا ہے بہر صورت اسے جانا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ مگر انہی میں بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا جانا دلوں کو ہلا دیتا ہے۔ ایسی شخصیتوں میں ایک اہم شخصیت مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی کی تھی۔ ۵ دسمبر کو دوپہر کے وقت مجھے بھوپال میں لکھنؤ اور دہلی سے ٹیلی فون پر یہ اطلاع ملی کہ آج مولانا ابواللیث اللہ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ پہلے تو یقین نہیں آیا کیونکہ اگرچہ وہ بیمار رہتے تھے لیکن یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی، مگر یقین کرنا پڑا اور دل پکڑ کر بیٹھ گیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

مولانا کے اوصاف بیان کرنا ایسا ہی ہے جیسے مشعل کو روشنی دکھانا۔ درمیان کے چند روز چھوڑ کر مولانا ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک مسلسل جماعت اسلامی کے امیر رہے۔ اس طرح انہوں نے گویا کہ ساری عمر خدمت دین میں صرف کر دی۔ اسی دور میں مفلس و تہی دست لیکن آل انڈیا جماعت نہایت نازک مرحلوں سے گذری لیکن مولانا کے اخلاص و تقویٰ نے اللہ کی مدد کو اس کی جانب متوجہ رکھا۔ تنگ دستی ہو یا قید و بند اور مخالفانہ خروش ہر موقع پر مولانا کے پائے ثبات اپنی جگہ قائم رہے۔ مخالف افکار کو جس لب و لہجہ میں مولانا نے جواب دیئے ہیں انہیں اب بھی ہر شخص جانتا

زندگی کا فانوس میں دیکھ سکتا ہے۔ ہر دیکھنے والا کہہ دے گا کہ یہ ہے بڑے لوگوں کا کریمانہ اخلاق۔ یہ ہے بڑوں کا ادب واحترام، یہ ہے حسن ایمان اور یہ ہے زور استدلال ـــ مولانا کے جوابات کی یہی وہ خوبیاں تھیں جنھوں نے بڑے بڑوں کو خاموش کر دیا۔ یہ سچ ہے کہ فردوس گم گشتہ بے حد لذیذ ہوتی ہے۔ میں ان سے قریب رہا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ مولانا مرحوم کی بہت سی خوبیاں جن کی یاد اب تڑپا رہی ہے۔ مرحوم کی زندگی میں ان کی کما حقہ قدر نہیں کر سکا۔ موصوف بے حد پاکیزہ خاطر تھے۔ بے حد ملنسار اور زندہ دل تھے تقویٰ ان کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا۔ بڑے خوبصورت اور نازک رکھ رکھاؤ کے عادی تھے۔ ان کی صحبت میں گھنٹوں بیٹھنے کے بعد بھی، اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا، ان کی صحبت ان مجلسوں سے خالی رہتی جو عام طور پر رائج ہے۔ جماعتی نظم کی اور دوسروں وغیرہ کی اتنی بڑی ذمہ داریاں ان پر عائد تھیں کہ زیادہ تحقیقی کام کا انھیں موقع نہیں ملا۔ پھر بھی چند اہم کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ جو مدتوں تک لوگوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیں گی۔ یوپی کی دینی تعلیمی کونسل ـــ مدھیہ پردیش کی دینی تعلیمی کانفرنس آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات مولانا مرحوم کی یادگار رہیں۔ انبیاء علیہم السلام انسان کو غوث یا قطب بنانے نہیں آئے تھے بلکہ انسان کو اچھا انسان یعنی سچا مسلمان بنانے آئے تھے۔ مولانا بھی غوث یا قطب نہیں تھے بلکہ ایک اچھے انسان مطیع فرماں بردار مسلمان تھے۔ اسلام کی روشنی کو دنیا میں پھیلا کر لوگوں کو اللہ کا مطیع بنانا ان کا کام تھا۔ اور اللہ کے فضل سے زندگی کے آخر تک وہ اس کام میں ہمہ تن مشغول رہے۔ اللہ ان کی ان خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے۔

مولانا کے بہت سے واقعات زندگی مجھے یاد ہیں جو نہایت سبق آموز ہیں۔ ان کا زیادہ نقل کرنا تو مشکل ہے۔ صرف ایک واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں جس میں نہایت درجہ نزاکت ولطافت ہے۔ اور جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔

جون ۱۹۷۲ء کی بات ہے مولانا بھوپال تشریف لائے۔ جمعہ کی صبح تھی، باہر کے کچھ

لوگوں نے مولانا کو گھیر لیا۔ میں نے کئی بار غسل وغیرہ کا عرض کیا لیکن انھوں نے ٹال دیا۔ تھوڑی دیر بعد اندر کے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا: تم غسل کا کہہ رہے ہو مگر میرے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ راستہ میں سوٹ کیس گم ہوگیا ہے۔ یہ کپڑے اتار دیتا ہوں، دھلوا دو پھر غسل کروں گا۔ کپڑے دھوئے گئے اور میں نے جلدی سے اپنے لڑکے سے تین جوڑے اور ایک شیروانی کا کپڑا بازار سے منگوا لیا۔ شام کو میرے لڑکے نے مجھ سے کہا کہ مولانا کپڑوں کا کتنا پیسہ مانگ رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ تم پھر کہہ دو میں نے انھیں دے دیا ہے۔ اسی وقت میں مولانا کے ساتھ جبل پور روانہ ہوگیا۔ دوسرے روز جبل پور میں انھوں نے مجھ سے یہی بات فرمائی۔ میرے عذر پر انھوں نے کچھ جوابات دیئے۔ اس گفتگو میں ان کی زبان سے لفظ "ذلت" نکل گیا۔ اس پر میں نے سخت احتجاج کیا۔ ظہر کے بعد انھوں نے پھر یہ گفتگو چھیڑی اور نہایت نرمی اور محبت سے فرمایا: دیکھو کبھی تمہیں میری گفتگو سے تکلیف ہوئی۔ میرے دل میں اس کی قدر ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں اپنا مفہوم کس طرح ادا کروں۔ بات یوں ہے کہ پورے ملک میں دو چار آدمی ایسے ہیں جن سے کچھ لے کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک تم ہو۔ مگر جہاں حاجت کی بات آتی ہے وہاں طبیعت قبول نہیں کرتی۔ میں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا۔ اور عرض کیا کہ ٹھیک ہے مولانا۔ میں نے مزید کہا کہ میں ایک حقیر اور کم حیثیت آدمی ہوں لیکن اپنی خودی کو اتنا وزن دار سمجھتا ہوں کہ اگر اسے اس پہاڑ پر رکھ دوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جب حال یہ ہے تو میرے امیر کی خودی کا میری نظر میں کیا مقام ہوگا۔

میں نے موصوف سے یہ واقعہ کہیں ضرور نقل کرنے کی اجازت لے لی تھی ورنہ میں یہاں اس کا ذکر نہیں کرتا۔

اس طرح یہ بات بھی نہایت لطیف اور مشکل ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود آدمی محبت کے شعلہ کو بجھنے نہ دے۔ یہ کمال انھیں باکمال لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو نہایت ہی بلند ہوں۔ مولانا مرحوم کے ایسے واقعات بھی میرے علم میں ہیں۔ مگر انھیں جانے دیجئے۔ ایک

(باقی: صفحہ پر)

توجہ مطلوب ہے

اساتذہ کرام اور سرپرستوں سے

عبدالبر اثری فلاحی

"اے میرے پالنے والے! میں اپنے پیارے بیٹے کو تیری راہ میں دین سیکھنے بھیج رہی ہوں وہ دین جو پیارے رسولؐ لے کر آئے۔ اے میرے رب! جس طرح تو نے میری یہ دعا سن لی کہ میرے بیٹے کو دین کا علم سیکھنے کا شوق ہو اسی طرح، اب اس کے شوق کو پورا فرما، اپنی طرف سے اس کی مدد کر اور میری ہی زندگی میں اسے دین کا سب سے بڑا عالم بنا تاکہ میں اسے دیکھوں اور تیرا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کروں۔"

(ہمارے بزرگ از مائل خیرآبادی جلد دوم ص ۳۵ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

یہ امام شافعیؒ کی والدہ محترمہ کے وہ دعائیہ کلمات ہیں جو انھوں نے اپنے لخت جگر شافعیؒ کو حصول علم کے لئے سفر پر روانہ کرتے ہوئے کہے تھے۔ اس کے اندر آج بھی..... سرپرستوں اور اساتذہ کرام کیلئے درس عبرت ہے، اس وقت میں صرف ایک کی طرف نشاندہی کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس وقت طلبہ کے اندر حصول علم سے جو عدم دلچسپی اور بے رغبتی پائی جاتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور ہر ایک کے لئے یہ چیز باعث تشویش بنی ہوئی ہے چنانچہ اپنے اپنے طور پر سبھی اس کے حل کی تدبیریں بھی اختیار کرتے ہیں کوئی پند و موعظت سے کام لیتا ہے کوئی سخت سست کہتا ہے کوئی مار پیٹ کرتا ہے اور کوئی مختلف قسم کے تشجیعی انعامات سے نواز کر کام نکالتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً یہ سارے طریقے موقع و محل کے لحاظ سے کارگر ہوتے ہیں اور انھیں اختیار کرتے رہنا چاہئے، لیکن اس سلسلے میں جو چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے اسے لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں یعنی طلبہ کیلئے اللہ سے طلب توفیق کہ اللہ اس کے اندر شوق پیدا کر دے، اسے حصول علم کی توفیق ارزانی کرے اور اس کی مشکلات کو دور فرما دے۔ ایسا اس لئے کہ توفیق الٰہی ہی پر سارا انحصار ہے اگر اللہ تعالیٰ توفیق ہی نہ دے تو جس طرح اس کے بغیر دنیا کا کوئی

کام کوئی انجام نہیں دے سکتا، اسی طرح علم بھی حاصل نہیں کر سکتا اس لئے سرپرستوں اور اساتذہ کرام کو چاہیے کہ جب بھی کسی طالب علم کے سلسلے میں بے رغبتی کا اندازہ ہو یا اسے کوئی مشکل پیش آئے تو ساری تدبیروں کے اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کیلئے دردمندانہ اور بے تابانہ طور پر اللہ سے توفیق طلب کرے اور نہ صرف شوق کی توفیق طلب کرے بلکہ شوق کو پورا کرنے اور ہر طرح سے اس کی مدد کرتے رہنے کی بھی دعا کرے، جیسا کہ امام شافعیؒ کے لئے ان کی والدہ محترمہ کیا کرتی تھیں اور جو ان کے ان کلمات سے واضح ہے "اے میرے رب! جس طرح تو نے میری یہ دعا سن لی کہ میرے بیٹے کو دین کا علم سیکھنے کا شوق ہو اسی طرح اب اس کے شوق کو پورا فرما، اپنی طرف سے اسکی مدد کر۔"

میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج کل اس تدبیر کو کم ہی لوگ اس مسئلہ کے حل کی تدبیر سمجھتے ہیں اور جو چند لوگ اس کو سمجھتے ہیں وہ بھی اس کی طرف بھرپور توجہ نہیں دیتے حالانکہ یہ کلیدی حل کی حیثیت رکھتی ہے اور "شافعیؒ" کے "امام" بننے میں ان کی والدہ محترمہ کی اس طرح کی دعاؤں نے بنیادی رول ادا کیا تھا۔ لہذا اس حل کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی جانی چاہئے۔

واللہ ولی التوفیق

بقیہ آپ بھی لمبی عمر پا سکتے ہیں

دور رکھیں۔ آزادی سے رہیں اور خوشحالی سے زندگی گذاریں کیونکہ قول ہے کہ دانائی خوشی کا سرچشمہ ہے اور نادانی گناہوں کا باعث۔

۱۲۔ ہمیشہ ضمیر کی آواز پر کان رکھیں کیونکہ غلط کام کرتے ہوئے ضمیر ضرور روکتا ہے۔

وادی ہنزہ، گلگت، چترال اور تبت کی بلند و بالا چوٹیوں پر رہنے والوں کی صحت و تندرستی کا راز صرف اور صرف وہاں کی خوشگوار آب و ہوا اور قدرتی پھلوں کی فراوانی ہی ہے۔ انسان جس قدر فطرت کے قریب ہوگا اسی قدر اضافہ عمر کا باعث ہوگا بعض ماہرین نے جن اغذیہ کو درازی عمر کا باعث قرار دیا ہے ان میں دہی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ بذات خود کیمیائی عمل سے گذر کر دودھ سے بنتی ہے۔

آپ بھی لمبی عمر پا سکتے ہیں

حکیم طارق محمود چغتائی

یہ تو سب کو ماننا پڑتا ہے کہ انسان فانی ہے۔ خواہ لاکھوں برس جئے مگر آخر فنا۔ اور دائمی بقا صرف باری تعالیٰ ہی کو ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کو فنا ہے نہ زوال البتہ خالق کائنات نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے اندر طویل العمری کا راز پنہاں کر رکھا ہے۔

حکماء اور فلاسفروں نے بعض ایسی علامات معلوم کی ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ شخص بہت عمر پائے گا یا جلد مر جائے گا۔ ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر بہت سے آدمی اس قسم کے قیاسات لگا لیتے ہیں مگر یہ محض قیاسات ہی ہیں۔ ہمیں ان قیاسات سے کچھ مطلب نہیں، ہمیں تو محض طبی اصولوں پر چلنا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ قوی الجثہ (جو زیادہ موٹے نہ ہوں) اکثر دیر تک زندہ رہتے ہیں بہ نسبت کمزور آدمیوں کے جو جلد عوارضات میں مبتلا ہو جاتے ہیں تاہم اگر کوئی کمزور آدمی ہمیشہ اپنے حواس اور قویٰ کی خبر گیری کرتا رہے تو وہ بھی طویل عمر پاتا ہے۔ درازی عمر کے لئے طبی نقطۂ نظر سے مندرجہ ذیل باتیں بہت اہم ہیں:

۱۔ آلات الہضم یعنی معدہ ہمیشہ درست رہے اور اپنا کام باقاعدہ کرتا رہے کیونکہ صحت کی بنیاد کی ابتدا اسی سے ہے۔ اگر معدہ درست رہ کر اپنا کام اچھی طرح کرے گا تو غذا خوب ہضم ہوگی اور غذا کے ہضم سے قویٰ مضبوط ہوں گے، خون صالح پیدا ہوگا اور صحت قائم رکھے گا۔

۲۔ چھاتی چوڑی سینہ فراخ، آلات تنفس خوب مضبوط ہوں تاکہ دیر تک دم کو روک سکے اور گہرا سانس لے سکے۔ جس شخص کا سینہ فراخ اور مضبوط ہوگا یا جس کے آلات تنفس مضبوط ہوں گے اس کو کھانسی کی بیماری بہت کم ہوگی۔ آواز بھاری اور بلند ہوگی جو سینہ اور تنفس کے مضبوط ہونے کی علامت ہے۔

۳۔ دل تنگ اور متلون مزاج نہ ہو کیونکہ جلد ضائع ہونے کا اصلی راز ہمارے دل میں ہے۔ خون کے دوران پر اس کی بقا اور فنا کا دار و مدار ہے لہٰذا جن لوگوں کا تنفس بہت تیز ہو اور جو تنگ مزاج ہوں، ذرا ذرا سی باتوں سے غصہ کر لیتے ہوں اور دل کو رنج پہنچاتے ہوں وہ کبھی دراز عمر حاصل نہیں کر سکتے۔

۴۔ لباس کے بارے میں خاص خیال رکھا جائے۔ زیادہ تنگ اور موٹا لباس جسم کی بافتوں اور جلد کے لئے مضر ہے۔ اگر شیروانی یا واسکٹ کا گلا بند ہو تو اس کا گلا چوڑا ہونا چاہئے تاکہ گردن آسانی سے اس میں حرکت کر سکے اور سانس لینے میں تنگی محسوس نہ ہو۔

۵۔ جوتے کے انتخاب کا تعلق بھی درازی عمر سے ہے۔ چمڑے کا جوتا ہر موسم اور مزاج و پیشہ کیلئے مفید ہے کیونکہ لیدر یعنی چمڑے کی یہ خاصیت ہے کہ یہ گرمی میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور سردی میں گرم رہتا ہے۔

۶۔ ایسے چشموں کا پانی نوش کریں جنہیں گندھک، کوبالٹ اور فلورائیڈ پایا جائے کیونکہ بھاری پانی کی کثافتیں جسم کے اعضاء میں سختی پیدا کرتی ہیں اور یہی پانی پتھری کا باعث بنتا ہے۔

۷۔ سر اور گردن کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھیں کیونکہ حرام مغز موسم کے تغیر کو برداشت نہیں کر سکتا۔

جن لوگوں کو طویل العمری اور قیام شباب کا شوق ہے وہ ذیل کے قواعد کی پابندی کریں

۱۔ ہر ایک بات میں زیادتی کو ترک کریں اور میانہ روی اختیار کریں خصوصاً کھانے پینے میں اس کی بڑی احتیاط رکھیں۔

۲۔ اس بات کو اصول بنا لیں کہ کھانا تندرستی قائم رکھنے اور جینے کیلئے ہے نہ کہ جینا کھانے کے لئے۔ پس جو اشیاء زود ہضم ہوں اور جن سے صالح خون پیدا ہو وہی کھائیں بادی اشیاء سے پرہیز کریں۔

۳۔ تازہ ہوا کو اپنا سب سے بہتر رفیق بنائیں اور تازہ ہوا میں سیر کریں جس قدر

زیادہ عکس ہوا آکسیجن جسم کے اندر داخل کریں۔ رات کو خاص طور پر سردی میں کھڑکی کا ایک پٹ کھلا چھوڑ دیں تاکہ کھلی ہوا اندر آتی رہے۔

۴۔ ہر دم صفائی کو اپنا شعار اور اصول بنائیں۔ اسلام صفائی کو پسند کرتا ہے اور صحبت کے بعد غسل کی تاکید بھی اسی اصول پر مبنی ہے۔ پانچوں وقت نماز کے ساتھ وضو کی قید بھی اسی اصول پر ہے۔

۵۔ غم و غصہ سے بچتے رہیں کیونکہ ان سے دل اور دماغ پر بہت سخت صدمہ پہنچتا ہے اور انسان کی زندگی گھل جاتی ہے۔ جو زیادہ غصہ والے زیادہ دکھی اور ہر وقت صحت و دل پر رنج و غصہ رکھنے والے ہوں وہ کبھی طویل عمر نہیں پا سکتے۔ رنج کرنے سے دماغ کی بناوٹ کے ریشے اس قدر ہر لمحہ ٹوٹتے ہیں کہ پھر ان کی تلافی ناممکن ہے اور رفتہ رفتہ دماغ بیکار ہوتا جاتا ہے۔

۶۔ سست اور کاہل بن کر بے کار بیٹھے رہنا ترک کر دینا چاہیئے۔ چست و چالاک رہکر کام کرنے کے شائق بننا بیماری اور لاغری کو دور کرتا ہے کیونکہ بے کار آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

۷۔ جلدی سونا اور گہری نیند سونا صحت اور جوانی کیلئے انتہائی مفید ہے۔

۸۔ بے اصول، بے مقصد، بے طریقہ زندگی بیکار ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد مقرر کریں جو آدمی زندگی کیلئے نشان منزل یا نشان راہ مقرر کر لیتا ہے وہ اپنی منزل میں لگا رہتا ہے اور یہی دھن اسے اعضاء کے اضمحلال سے بچاتی ہے۔

۹۔ زندگی میں کوئی رفیق منزل ضرور ہو، لہذا زندگی میں کوئی رفیق بنائیں کیونکہ بغیر رفیق کے زندگی عبث ہے۔ رفیق کے بغیر فکر و تردد گھیر لیتے ہیں اور انسان بوڑھا ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۰۔ اپنے جذبات پر پورا قابو رکھیں۔ ان کو دبائے رکھیں کیونکہ جذبات کے برانگیختہ ہونے سے جسم میں امن نہیں رہتا اور اندرونی قوی تحلیل ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ ہر وقت منصف مزاج اور دانا بن کر زندگی بسر کریں۔ اپنے ارادوں کو نیکی کی

(بقیہ صـ۳۱ پر)

نعت

(ادریس ضیاء بدایونی)

لبوں پہ آئی ہوئی بات پھول ہو جائے
قبول دل سے جو ذکرِ رسول ہو جائے

تمام عمر کی محنت وصول ہو جائے
ثنائے شاہ جو رب کو قبول ہو جائے

حیات گننے لگے اعتبار کے قابل
اگر یہ آپ کے رستے کی دھول ہو جائے

کھلے ہوئے ہیں ابھی رحمتوں کے دروازے
جو کوئی چاہے غلامِ رسول ہو جائے

کچھ اتنا قرب ہے سید البشر کا مجھے
مری نگاہ میں ہر شے فضول ہو جائے

ہو جبیں نورِ مقدس سے غسل آنکھوں کا
اک ایسے خواب کا مجھ پر نزول ہو جائے

دکھلوٹ پائے ضیاءؔ تیرے ہاتھ دامن
اپنے خیال کو ایسی ہی بھول ہو جائے

غزل

(ریاض احمد قاصد متعلم جامعہ)

اب تو کھل کر یہ حکومت کو بتایا جائے
اب ستم ہم پہ نہ یوں سرعت سے ڈھایا جائے

شوق و الفت کے چراغوں کو جلایا جائے
آؤ روتے ہوئے لوگوں کو ہنسایا جائے

فرض جو اپنا ہے اب اسکو نبھایا جائے
جو ہیں گمراہ انہیں راہ پہ لایا جائے

منصب عدل پہ ہیں اہل ستم بھارت میں
درد و غم اپنا کسے جا کے سنایا جائے

حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں کرتا کوئی
ڈر سے انسان کے کیوں سر کو جھکایا جائے

ایک دو زخم جو ہوتے تو کوئی بات نہ تھی
سیکڑوں زخم ہیں کس طرح دکھایا جائے

منزلیں خود ہی چلی آئینگی بڑھکر قاصد
سوئے منزل تو قدم پہلے بڑھایا جائے

غزل

(قمر رسول پوری زین رسول پور اعظم گڈھ یوپی)

تڑپ ہے دل میں کوئی اور نہ کوئی سوزِ ایمان ہے
ہمارے عہد کا ہر آدمی پتھر کا انساں ہے

چلا ہے ڈھونڈھنے جب منزلِ مقصودِ گم گشتہ
تو آخر راستوں کے پیچ و خم سے کیوں پریشاں ہے

طلسمِ ظلمتِ شب ٹوٹنے والا ہے پل بھر میں
تمہارے حوصلوں کی منتظر صبحِ درخشاں ہے

کھٹکتا تھا مری آنکھوں میں جو رہ رہ کے برسوں سے
وہی پلکوں پہ میری شدتِ غم سے چراغاں ہے

نہ بیٹھو مطمئن ہو کر چمن میں اے چمن والو....
مخالف ہے ہوا بدلا ہوا رنگِ گلستاں ہے

بھروسے پر ترے دریا میں کشتی ڈال دی ہم نے
ہمیں تیرا سہارا ہے بلا سے تیز طوفاں ہے

مرے چاکِ گریباں پر عبث ہنستے ہوئے لوگو!
مری رسوائیوں کو دیکھ کے وہ بھی پشیماں ہے

قمرؔ ہوں مجھ کو دعویٰ ہے اندھیرے میں چمکنے کا
مری ہی روشنی سے آج بھی شمعِ شبستاں ہے

اخبارِ علمیہ

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

قرآن شریف کے پہلے پارہ کا بودھی زبان میں ترجمہ

جموں ضلع لداخ کے علاقہ سابولیہ کے ایک باشندے حاجی عبدالرحمان ملک نے قرآن شریف کے پہلے پارہ الم کا بودھی زبان میں ترجمہ کیا ہے جموں و کشمیر اکیڈمی برائے فن ثقافت اور زبان نے حاجی عبدالرحمٰن ملک کو قرآن شریف کے پہلے پارہ کا بودھی زبان میں ترجمہ کرنے پر دو ہزار کا علامتی انعام دیا ہے

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۰، مارچ سنہ ۹۲ء)

امریکہ میں مسلم اسکولوں کیلئے نصاب کی تیاری

امریکہ میں مسلم تنظیموں کے زیر اہتمام چلائے جانے والے اسکولوں کیلئے نصاب کی تیاری کا کام جاری ہے اور امید ہے کہ آئندہ سات سال میں ابتدائی درجات سے لیکر اعلیٰ درجات کے کلاسوں کیلئے یہ نصاب مکمل ہو جائیگا یہ بات شکاگو کے ایک سرکردہ مسلم دانشور ڈاکٹر عبیداللہ غازی نے وائس آف امریکہ کو بتائی، ریڈیو نے جمعہ کو ۱۳، مارچ کی صبح اپنی اردو نشریات میں ڈاکٹر غازی کے ساتھ گفتگو نشر کی ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ کئی کتابیں پہلے ہی تیار ہو چکی ہیں آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس وقت پورے امریکہ میں ہائی اسکولوں کی سطح کے دو درجن اسکول اور دو ڈگری کالج ہیں جو مسلم اداروں کے زیر اہتمام چلائے جا رہے ہیں۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۶، مارچ سنہ ۹۲ء)

نصابی کتابوں کو قابلِ اعتراض مواد سے پاک کرنیکا ایک اور "وعدہ پُر فریب"

وزیر فروغ انسانی وسائل مسٹر ارجن سنگھ نے ریاستی وزراء اعلیٰ اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے لفٹننٹ گورنروں کو ایک مراسلہ کے ذریعے مطلع کیا ہے کہ گذشتہ سال جون میں نصابی کتابوں کا جائزہ لینے کیلئے جو قومی رہبر کمیٹی تشکیل دی گئی ہے اس نے ریاستی اداروں کے تعاون سے اپنا کام شروع کر دیا ہے مسٹر ارجن سنگھ نے بتایا کہ اس سے پہلے ۱۹۸۶ء میں نصابی کتابوں کے جائزہ کا جو کام شروع ہوا تھا اس کے تحت ۱۹۸۵ء تک تاریخ اور زبان سے متعلق کتابوں کا جائزہ مکمل کر لیا گیا تھا یہ جائزہ۔ این سی آر ٹی کی رہنما ہدایات کے تحت کیا جا رہا ہے ان ہدایات کا تعلق فرقہ واریت، ذات پات، چھوت چھات، علاقائیت وقیانوسیت اور توہم پرستی جیسی برائیوں کے تذکرے کو نصابی کتابوں سے خارج کرتا ہے۔ نئی قومی تعلیمی پالیسی کی روشنی میں نئی کتابوں کے جائزے کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے مسٹر ارجن سنگھ نے اپنے مراسلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ نصابی کتابوں کے ذریعہ قومی یکجہتی اور سیکولرزم کے منافی نظریات کا جائزہ لیا جا رہا ہے

یاد رہے کہ ۱۹۸۶ء سے بھی کئی برس پہلے مرکزی حکومت نے نصابی کتابوں پر نظر ثانی کیلئے خواجہ غلام السیدین کی صدارت میں ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی اس کمیٹی نے جسکو عام طور پر سیدین کمیٹی کہا جاتا تھا سخت محنت کے بعد ایک رپورٹ حکومت کو پیش کی تھی جو حکومت نے الماری میں بند کر دی اور شاید بعد میں ردی میں فروخت کر دی ہو گی۔

تعلیمی حلقوں نے سوال کیا ہے کہ نصاب کی کتابوں کو قابل اعتراض مواد سے پاک کرنے کیلئے قائم کی گئی کمیٹیوں کی رپورٹ پر عمل نہیں کیا جاتا تو ان کی تشکیل پر قوم کا سرمایہ اور وقت کیوں برباد کیا جاتا ہے ان حلقوں نے مسٹر ارجن سنگھ

پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے دور وزارت میں نصابی کتابوں پر نظر ثانی کے کام کو مکمل کرائیں اور قومی رہبر کمیٹی کی رپورٹ جلد از جلد طلب کر کے اس پر عمل کرائیں۔

سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۷ مارچ ۱۹۹۲ء ص ۲

تدریسی و تربیتی کیمپ برائے معلمین و معلمات

لکھنؤ ۲ مارچ۔ اترپردیش فلاح عام سوسائٹی رجسٹرڈ لکھنؤ نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ دہلی میں درج ذیل اہم فیصلے کئے ہیں۔

۱۔ گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی اساتذہ کا ایک ماہی کیمپ ۱۷ جون تا ۱۵ جولائی سلطانپور میں منعقد کیا جائیگا۔ تربیت کے خواہشمند اساتذہ اپنی تعلیمی استعداد، عمر، سکونت اور تدریسی تجربات پر مشتمل درخواست سکریٹری سوسائٹی دارالاسلام مولوی گنج لکھنؤ کے پتہ پر ارسال فرمائیں

جو حضرات فی الوقت تدریسی خدمات انجام نہیں دے رہے ہیں اور کیمپ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مذکورہ بالا شرائط کے تحت کسی معروف دینی شخصیت کی سفارش کے ساتھ اپنی درخواست ارسال کر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ شرکاء کے قیام و طعام اور مصارف سفر سوسائٹی برداشت کرتی ہے۔ شرکاء کیلئے کم از کم ہائی اسکول یا اس کے مساوی استعداد یا کسی دینی درسگاہ سے فارغ ہونا ضروری ہے

۲۔ معلمات بھی مذکورہ بالا شرائط کے تحت ہی داخلہ لے سکیں گی انکا کیمپ علی گڈھ میں ہوگا اور تاریخوں کا اعلان بعد میں کیا جائیگا

۳۔ یہ بھی طے پایا کہ ریاستی سطح پر دینی مدارس و مکاتب کا تعلیمی و ثقافتی مقابلہ و مظاہرہ آئندہ ماہ نومبر میں شہر کانپور میں منعقد کیا جائیگا اور ماہ اپریل میں اسکا پروگرام جاری کر دیا جائیگا

منصور عالم
سکریٹری سوسائٹی

القول الأصيل فيما في العربية من الدخيل

از: ڈاکٹر ف، عبدالرحیم

تعارف: مولانا محمد عارف عمری

ڈاکٹر ف، عبدالرحیم صاحب استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو لسانیات سے بڑا شغف ہے ابھی حال ہی میں انہوں نے ابو منصور جوالیقی کی کتاب المعرب، کو ایڈٹ کر کے شائع کرایا ہے ... المعرب کی ترتیب و تکمیل کے دوران ڈاکٹر صاحب کو خیال ہوا کہ اس میں تمام دخیل لفظوں کا استقصاء نہیں کیا جا سکا ہے اس لئے انہوں نے اس طویل اور صبر آزما کام کا بیڑا بھی اٹھا لیا اس کتاب میں پانچ سو ایسے دخیل الفاظ کا ذکر ہے جو المعرب میں شائع ہونے سے رہ گئے ہیں

کتاب کے مطالعہ سے عربی زبان کی وسعت اور دوسری زبانوں سے اسکے اخذ و استفادہ کا اندازہ ہوتا ہے مصنف کی تحقیق کے مطابق اُنچ (بلندی) ترپھلا (اطریفل)، ورشا (برسات)، بھنگ بھات بش (زہر) تامبول ٹھاکر (تنجوگی) سیپ شمسہا (درخت) پپلی (فلفل) کرشن (درخت بحری کرستہ) لاکھ (لک) بھوک (لیمو) نور (کشتی) نولو تیل (نیلوفر) ہلاہل (زہر) جیسے خالص ہندی الفاظ مختلف نوعیت کی تبدیلیوں کے بعد عربی زبان میں داخل ہو گئے ہیں اس سے عرب و سند کے قدیم علمی و تجارتی تعلقات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے یہ کتاب محنت سے لکھی گئی ہے اور اسکی تالیف و ترتیب میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کی کتب لغت کی چھان بین کی گئی ہے اور قدیم و جدید دونوں قسم کے مراجع سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اور یہ دونوں کی خوبیوں کی حامل ہے

۱۵۱ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ لینۃ للنشر والتوزیع دمنہور سے شائع کی گئی ہے۔

(ماہنامہ معارف مارچ ۱۹۹۳ء ص ۲۴۰)

نور محمد فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

انجمن طلبہ قدیم کے اجلاس شوریٰ کی مختصر رپورٹ

انجمن کی شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۲۱ر فروری ۱۹۹۳ء کو جامعہ کے اندر شروع ہو کر ۲۲ر فروری ۱۹۹۳ء کو ختم ہوا۔ صدر انجمن جناب حکیم احمد غازی فلاحی کی صدارت میں دو دن تک کاروائی جاری رہی۔ ایجنڈے کے مطابق غور و فیصلے ہوئے جو اس طرح ہیں:

گزشتہ کاروائی کی خواندگی کے ضمن میں یہ طے پایا کہ کچھ فلاحی بھائیوں کے ذمہ کچھ علمی و تصنیفی کام دیئے گئے تھے جو اب تک پورے نہیں ہو سکے انھیں پھر تاکید کی گئی کہ جلد از جلد اسے مکمل کریں۔

انجمن کی طرف سے جامعہ کی طالبات کو لانے کے لئے جو بس خرید کر جامعہ کو ہدیہ کی گئی ہے اس پر ارکان شوریٰ نے خوشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، نیز آئندہ جامعہ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے کے عزم کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے مزید توفیق کی دعا کی۔ اس ضمن میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ یونٹ اور دہلی یونٹ کی طرف سے آئی ہوئی تجاویز و مشوروں کو پڑھا گیا۔

اجلاس عام

اور پھر شوریٰ نے اجلاس عام کی تاریخیں طے کیں۔ انشاء اللہ فارغین جامعہ کا یہ اجلاس عام ۲۸-۲۹-۳۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ہوگا۔

اس کے تفصیلی پروگرام بھی طے پائے جس میں سب سے اہم پروگرام سمینار کا ہوگا اس میں حصہ لینے کے لئے ملک کے تمام مشہور مدارس اور دوسری علمی شخصیات کو مدعو کیا جائے گا سمینار کیلئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جس کے کنوینر برادر عبید اللہ فہد فلاحی علیگڑھ ہونگے اور صباح الدین اعظمی فلاحی علیگڑھ، منور حسین فلاحی (دہلی) صباح الدین ملک فلاحی (جامعہ) خالد حامدی فلاحی (دہلی) معین الدین فلاحی (پونہ)

وشتیاق دانش فلاحی (علیگڑھ)، عبدالبر فلاحی (جامعہ) ان کے معاونین ہوں گے صدر انجمن اور برادر رحمت الاثری فلاحی (ناظم اجلاس) بھی شریک رہیں گے۔

انجمن کا سالانہ گوشوارہ پیش کیا گیا اس کی روشنی میں آئندہ سال کا بجٹ بھی طے پایا۔ اس بجٹ میں تعلیمی وظائف میں اضافہ، جامعہ میں زیر تعلیم مستحقین طلبہ کی اعانتوں میں اضافہ پر خصوصی توجہ دی گئی نیز ایک جیپ خریدنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مجلہ حیات نو کے سالانہ زر تعاون کو پچاس روپیہ کر دیا گیا۔

انجمن کے کاموں کے پیش نظر دو نئے فارغین برادر آفتاب رحمانی فلاحی اور برادر افروز عالم فلاحی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ انشاء اللہ ان کی موجودگی سے انجمن کے جملہ کاموں کو اچھے طریقہ سے انجام دینے میں مدد ملے گی۔

انجمن کی یونٹیں مختلف شہروں میں موجود ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ اہم فیصلے کیے گئے اور آخر میں دعاؤں پر اجلاس اختتام کو پہنچا۔

مجلس انتظامیہ جامعۃ الفلاح

۲۳،۲۴ فروری کو جامعہ میں انتظامیہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں محترم مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب بھی اپنی کمزوری و علالت کے باوجود شریک ہوئے۔ محترم مولانا جلال الدین انصر عمری نائب امیر جماعت اسلامی ہند دہلی پردیش کے امیر حلقہ مولانا کوثر یزدانی اور دوسرے ارکان انتظامیہ بھی اپنی تمام مشغولیات کو چھوڑ کر جامعہ تشریف لائے۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی نیز تعلیم و تربیت کو بہتر سے بہتر بنانے کے سلسلے میں غور و فیصلے کیے گئے۔ ارکان انتظامیہ میں نیا اضافہ ہوا اس بار ایک مزید فلاحی برادر مقبول احمد صاحب... ناظم علاقہ گورکھپور کا جامعہ کی انتظامیہ میں اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں اور دوسرے فلاحی بھائیوں کو جو جامعہ کی انتظامیہ کے ارکان ہیں خاص طور پر اور بقیہ ارکان انتظامیہ کو عام طور پر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین

جامعہ سے فارغ ہونیوالے طلبہ کو استقبالیہ

۲۴ فروری کو بعد نماز عشاء انجمن کی طرف سے ایک استقبالیہ پارٹی کا

نظم کیا گیا۔ ہر سال تعلیمی سال کے آخر میں آخری درجہ کے طلبہ کو تمام لوگ الوداعی پارٹی دیتے ہیں اور اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس وقت انجمن استقبالیہ کا نظم کرتی ہے اب تک ان طلبہ کا شمار طلبہ جامعہ میں ہوتا تھا۔ مگر اب وہ فارغین جامعہ کی صف میں شامل ہوتے ہیں۔ اس موقع پر شوریٰ کے تمام موجودہ ارکان شریک تھے۔ صدر انجمن... اور سکریٹری انجمن نے انجمن کے اغراض و مقاصد کو ان کے سامنے رکھا اور انجمن میں شامل ہونے والے بھائیوں سے اچھی توقعات کا اظہار کیا۔ انھوں نے بھی توقعات کو پوری کرنے کی امید دلائی۔

جامعہ کا نیا تعلیمی سال

رمضان المبارک سے پہلے اساتذہ و طلبہ اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ اور یہ چمن وقتی طور پر سنسان و ویران سا معلوم ہونے لگا۔ مگر یکم شوال کی شام ہی میں پھر اس چمن کے اندر دوبارہ زندگی آگئی۔ ہر طرف چہل پہل، سلامتی کی دعائیں، مصافحہ اور معانقہ عجیب منظر نظر آنے لگا۔ نئے طلبہ و مہمانوں کی آمد داخلے کی کارروائیاں، اس منظر میں جامعہ نے نئے تعلیمی سال کا آغاز کیا۔ طلبہ و طالبات کی کثیر تعداد میں درخواستیں آئیں مگر جگہ کی قلت و تنگی کی شکایت رہی اور مجبوری کی بنا پر بہت سے تشنگان علم سے معذرت کرنی پڑی۔

واپس ہونے والے افراد پر بڑی افسردگی ظاہر ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جامعہ کو وسیع سے وسیع تر کرے تاکہ کوئی بھی یہاں سے ناکام واپس نہ ہونے پائے۔

دو نئے فارغین کا تقرر

جامعہ میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہاں کئی اساتذہ کی ضرورت ہے جن کا تقرر عمل میں آنے والا ہے۔ کسی بھی ادارہ کیلئے یہ فال نیک ہے کہ وہ اپنے ہی ہونہار طلبہ کو اپنی خدمت کیلئے منتخب کرلے چنانچہ ابھی ابھی فارغ ہونیوالوں میں سے دو فلاحی بھائیوں (برادر جاوید سلطان اور برادر وسیم ملک) کو جامعہ میں تعلیم و تربیت کیلئے منتخب کرلیا گیا ہے۔ انشاء اللہ یہ لوگ جس طرح طالب علمی میں جامعہ کی نیک نامی کا باعث رہے ہیں اسی طرح دوران معلمی میں بھی نیک نامی کا باعث بنیں گے۔

انجمن طلبہ قدیم کی یونٹیں

جامعہ کی انجمن طلبہ قدیم نہ صرف یہ کہ جامعہ کے اندر منظم ہے بلکہ اس کا یہ فیصلہ ہے کہ جس جگہ بھی دو یا اس سے زائد فارغین جامعہ موجود ہوں وہاں پر یونٹ قائم کریں۔ اپنے ذمہ داران کا انتخاب کریں اور مرکز سے ربط رکھیں۔ اللہ کا شکر ہے ملک کے اندر بھی اور بیرون ملک بھی طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی یونٹیں قائم ہیں۔ جہاں ان کے ذمہ داران ہیں وہ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور جامعہ کی تعمیر و ترقی کے لئے سوچتے رہتے ہیں۔ اور اپنی رپورٹیں بھی یہاں ارسال کرتے رہتے ہیں۔

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح علی گڑھ یونٹ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی یونٹ انجمن کی سب سے بڑی اور فعال یونٹ ہے۔ جہاں پر تقریباً ایک سو فلاحی طلبہ تعلیم کے سلسلے میں مقیم ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ جامعۃ الفلاح کی شہرت اور نیک نامی کا سبب بنے ہوئے ہیں، فارغین جامعہ Phd، ایم۔ اے، طب، بی۔ اے، ایل۔ ایڈ اور قانون کے شعبوں میں موجود ہیں اور اپنی محنت، لگن اور ڈسپلن کی وجہ سے اپنا ایک الگ امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ دو فارغین جامعہ برادر فیضان احمد فلاحی اور سمیع اختر فلاحی صاحبان امسال عربی میں لکچرار مقرر ہوئے ہیں۔

انجمن کی یہ یونٹ ہر سیشن کے لئے ایک صدر اور سکریٹری کا انتخاب کرتی ہے اور صدر اور سکریٹری پورے سیشن کیلئے یونٹ کا نظم و نسق چلاتے ہیں۔ سال رواں کیلئے ڈاکٹر شوکت فلاحی کو صدر یونٹ اور برادر صباح الدین اعظمی کو سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

علی گڑھ میں مقیم فلاحی برادران کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں اور مختلف پروگرام چلاتے ہیں۔ ایک میٹنگ میں برادر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب نے نصیحت آموز طریقے سے فلاحی برادران کو یاد دلایا کہ سب لوگوں کو علیگڑھ میں اپنے مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو کہ

جامعہ کے مقاصد ہیں۔ اور جامعہ نے جو کچھ دیا ہے اس کو عملی جامہ پہنانا چاہئے۔ برادر موصوف نے مزید کہا کہ انجمن کی یہ یونٹ اس بات کی کوشش کرے کہ فلاحی برادران میں علمی ذوق اور شوق پیدا ہو۔ اس کے لئے باقاعدگی سے لکچر اور خطبات وغیرہ کے پروگرام منعقد کئے جائیں اور یونیورسٹی کی قابل شخصیات کو بلا کر ان سے استفادہ کیا جائے۔ آپ نے مزید کہا کہ ہر طالب علم اپنے تعلیمی میدان میں اچھے نمبرات سے کامیابی اور نمایاں مقام حاصل کرے۔

تذکیری کلمات کے بعد سکریٹری یونٹ صباح الدین اعظمی نے یونٹ کی رپورٹ پیش کی اور تمام لوگوں سے تعاون کی اپیل کی تاکہ انجمن کے پلیٹ فارم سے اکیڈمک پروگرام کئے جا سکیں۔

صدر انجمن جناب نسیم غازی صاحب نے آخر میں نہایت ہی موثر انداز میں جامع اور نصیحت آموز باتیں کیں۔ موصوف نے کہا کہ یہ جامعہ کا امتیاز ہے کہ جامعہ کا نصب العین وہی ہے جو کہ اسلام کا نصب العین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم جامعہ کے مقاصد کو اپنا کر دین اور دنیا میں سرخ رو اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

صدر انجمن نے مزید کہا کہ جامعہ کے فارغین نئے فارغ ہونے والے بھائیوں کا خیال رکھیں، ان کا تعاون کریں اور ان کی رہنمائی کریں اور آپس میں ربط قائم رکھیں۔

بعد میں شرکاء نے صدر انجمن سے انجمن اور ہونے والے عام اجلاس کے متعلق سوالات کئے۔ اس طرح سے انجمن کی اے۔ ایم۔ یو۔ یونٹ کا یہ اہم پروگرام اختتام تک پہنچا۔

محمد اعظم بیگ فلاحی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی طلبہ یونین کے صدر منتخب

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ فارغین جامعہ نے علیگڑھ میں ایک اچھا مقام پیدا کیا ہے۔ وہاں انھوں نے نہ صرف جامعہ کا نام روشن کیا ہے بلکہ دینی مدارس اور اسلام پسند طلبہ کی لاج رکھی ہے۔ چنانچہ لوگوں کے تعاون اور دعاؤں سے امسال برادر محمد اعظم بیگ فلاحی یونین کے صدر منتخب ہو

ہم انجمن کی طرف سے انھیں اور ان کے معاونین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں توفیق وہمت دے کہ وہ اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بعد فارغین کی بڑی تعداد دہلی میں ہے جس میں کچھ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں زیر تعلیم ہیں تو بعض وہیں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بعض جامعہ ہمدرد دہلی میں استاذ تو کچھ زیر تعلیم ہیں اور کچھ جواہر لال یونیورسٹی میں تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں اور کچھ بھائی تحریک کے کاموں میں معروف ہیں اور کچھ تجارت وغیرہ میں مشغول۔

دہلی یونٹ کے صدر برادر عبدالباری فلاحی استاد جامعہ ہمدرد اور سکریٹری برادر عبداللہ ترابی جامعہ ملیہ اسلامیہ اور سکریٹری نشر واشاعت برادر شیخ عبداللہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہیں۔

انجمن طلبہ قدیم رامپور یونٹ

یہ اطلاع دیتے ہوئے انتہائی مسرت ہو رہی ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مرکزی درسگاہ رامپور کے بورڈنگ ہاؤس میں فلاحی بھائیوں نے ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا جس میں انجمن طلبہ قدیم کے ۵ ممبران شریک تھے جس میں جناب ابوالمکارم فلاحی صاحب رامپوری، جناب صبغۃ اللہ فلاحی صاحب رامپوری، غلام نبی فلاحی صاحب کشمیری، ساغر فلاحی صاحب بدایونی اور خاکسار تنویر عالم فلاحی کانپوری اور جناب عبدالسلام فلاحی بستوی صاحب شریک تھے۔

اس نشست کی غرض وغایت انجمن طلبہ قدیم کی یونٹ کا قیام تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ وہ پورا ہوا۔ محترم ابوالمکارم صاحب نے انجمن کے مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا۔ محترم عبدالسلام فلاحی صاحب نے بتایا کہ انجمن کے مقاصد فلاح کے مقاصد اور فلاح کے مقاصد اسلام کے مقاصد۔ لہٰذا اب ہمیں متحد ہو کر اجتماعی طور سے خلوص وللہیت کے ساتھ اس کام میں جٹ جانا چاہئے۔ اور پھر یہ کہ ادارہ کی نسبت سے ہم کو ملاقات کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی

غرض سے ہم نے یہ نشست رکھی ہے۔ بعد ازاں یونٹ کے صدر کا انتخاب ہوا جس میں عمومی رائے سے صبغۃ اللہ فلاحی کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی اور سکریٹری کی ذمہ داری معذرت کے باوجود خاکسار کے سر ڈالی گئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو بلند مقاصد کے حصول کے لئے زندہ رکھے اور ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک افسوسناک خبر یہ کہ ہمارے بھائی برادر حامد علی ساغر فلاحی صاحب کو صدمہ ہوا۔ دوران رمضان انھیں ایام میں ان کے یہاں ولادت ہوئی اور وہ نومولود بے جان تھی۔ اللہ تعالیٰ موصوف اور ان کی محترمہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(والسلام تنویر عالم فلاحی سکریٹری رامپور یونٹ)

آفاق احمد متعلم جامعۃ الفلاح کی شہادت

سال کے آخر میں طلبہ خوش خوش ساتھیوں اور اساتذہ سے مل کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تھے اور نئے سال کے لئے نئے عزائم کا حوصلہ لیکر گئے تھے مگر انسان کی کتنی بے بسی ہے وہ کچھ نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ رمضان کے آخری عشرہ میں آفاق احمد طالب علم درجہ دہم جامعۃ الفلاح اپنے گھر محمد پور اعظم گڈھ میں مقیم تھے اپنے نئے مکان کی تعمیر کے لئے کسی سامان کے لئے موٹر سائیکل سے روڈ پر گئے۔ مگر وہاں ایک موٹر کے حادثہ کا شکار ہو گئے۔ روزہ کی حالت میں اپنے والدین، بھائیوں، بہنوں اعزہ واقارب، اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کو سوگوار چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس دنیا کے گھر کو چھوڑ کر جنت کے نئے گھر میں منتقل ہو گئے۔ مرحوم نیک طبیعت، نیک صفت اچھے اخلاق وکردار کے حامل تھے۔ اذان سنتے ہی نماز کی تیاری کر کے اہتمام سے مسجد میں اگلی صف میں رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں شہادت کا درجہ عطا کرے۔ والدین، تمام بھائیوں، بہنوں اور اعزہ واقارب نیز ساتھیوں اور اساتذہ کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین

انجمن طلبہ قدیم - طلبہ و اساتذہ غم میں برابر شریک ہیں۔

برادر مسیح الزماں فلاحی کو صدمہ

ماں باپ جیسی نعمت ملتی ہے کیا جہاں میں

کل نفس ذائقۃ الموت - جو بھی یہاں آیا ہے اسے ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ جدائی تو شاق ہوتی ہی ہے، مگر بعض جدائیاں جان لیوا ہوتی ہیں۔ ماں کی جدائی تو نہایت شاق ہوتی ہے، کیوں نہ ہو ارشاد رسولؐ ہے "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"۔ ہمارے بھائی مسیح الزماں فلاحی ۸ رمضان المبارک کو مادرانہ شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمارے بھائی کو شدید غم ہے، والد بھی بہت ضعیف ہو چکے ہیں ایسے عالم میں مزید غم میں اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی لغزشوں کو درگذر کرے، انہیں جنت میں جگہ دے۔ اور برادر مسیح الزماں اور ان کے والد محترم اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ اور ہمارے بھائی کو والدہ مرحومہ کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

انجمن طلبہ قدیم اپنے بھائی کے غم میں برابر شریک ہے۔

مولانا عبد الرؤف قاسمی استاذ جامعہ کو صدمہ

ماں بیٹے کا جو تعلق ہوتا ہے وہ کسی بھی عمر میں کم نہیں ہوتا۔ ماں کی جدائی کا احساس شدید ہوتا ہے اور رہ رہ کر ستاتا ہے۔ ۲ر شوال کو جامعہ کے استاذ مولانا عبد الرؤف قاسمی صاحب اپنی والدہ محترمہ کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

(بقیہ تعلیم کا تہذیبی نظریہ) پورا نہیں ہو سکتا خواہ اسے ہر مضمون میں شامل کر دیا جائے بلکہ اسلامی نظام تعلیم وہ ہوگا جو غیر اسلامی اور مادہ پرستانہ تہذیبوں کے افکار و نظریات کے خلاف نوجوانوں کو ایمانی جہاد کرنے کے قابل بنا سکے اور انہیں اسلام کے مکمل تہذیبی شعور سے مسلح کر سکے۔

"قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی کے حالات زندگی اور جدوجہد پر مشتمل "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ خواہشمند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت: ۱۵ روپے

"مولانا سید حامد حسین مرحوم نمبر"

ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "مولانا سید حامد حسین" نمبر کے کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں، خواہشمند حضرات اس کی قیمت ۱۰ روپے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائٹل		۱۰۰۰
اندرونی صفحہ ٹائٹل		۶۰۰
آخری صفحہ ٹائٹل (اندرونی)		۶۰۰
پورا صفحہ	اندرونی	۵۰۰
نصف صفحہ	"	۲۵۰
چوتھائی صفحہ	"	۱۵۰